جلد: ۹۳ | ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ مطابق مارچ ۲۰۰۹ء | شمارہ: ۳

نگراں
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند- ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپئے، سالانہ -/۱۵۰ روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۱۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۵۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

ہندوستان ایک تکثیری معاشرے کا ملک ہے، جو صدیوں سے مختلف مذاہب اورتہذیب و ثقافت کا گھوارہ ہونے کی حیثیت سے بین الاقوامی دنیا میں اپنی ایک شناخت رکھتا ہے۔ ملک کے آئین کے اعتبار سے بھی یہاں کے تمام باشندوں کو اپنے مذہبی افکار وعقاید اور زبان وکلچر کے تحفظ، ان کے استعمال اوران کی ترویج واشاعت کا حق حاصل ہے۔

مگر ملک کے اقتدار پر قابض طاقتیں، ملک کی اس قابل فخر رنگارنگ تہذیب کو ختم کرکے ملک کی تمام مذہبی وتہذیبی اکائیوں کو ایک رنگ میں رنگ لینا چاہتی ہیں۔ اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے سرکاری سطح سے لے کر عوامی سطح تک سرگرم عمل ہیں۔ چناں چہ اخلاقی اقدار اور قومی کلچر کے نام پر برہمنی عقاید واساطیر کو اسکولی تعلیم کے قومی نصاب میں شامل کردینے کی کوششیں ایک عرصہ سے جاری ہیں اور فروغ انسانی وسائل کا مرکزی وریاستی دفتر اپنے تمام تر اختیارات کے ساتھ اس مہم کو سر کرنے میں مصروف ہے۔ چنانچہ ایک طرف مدرسہ بورڈ کے عنوان سے مسلم اقلیت کے مذہبی تعلیمی اداروں کو اپنی خواہشات وترجیحات کے تابع بنادینے کے دیرینہ منصوبہ پر عمل شروع کردیا گیا ہے، تو دوسری طرف انھیں دہشت گردی کا مرکز بتاکر ان سے وابستہ افراد کو جارحیت اورتشدد کا شکار بنایا جارہا ہے۔

یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ وہ مدارس اسلامیہ جنھوں نے وطن عزیز کی آزادی اور ملک کے وقار وعزت کی بحالی کے لیے خود بھی قربانیاں دیں اور دوسروں کے اندر بھی جاں بازی وسرفروشی کا حوصلہ پیدا کیا، وہ مدارس اسلامیہ جنھوں نے وقت کی استبدادی قوت سے پنجہ آزمائی اور برٹش

استعمار سے ملک کونجات دلانے کے لیے لاکھوں کی تعداد میں سپاہی اور ہزاروں کی تعداد میں قائد و سپہ سالار مہیا کیے۔ وہ اسلامی تعلیم گاہیں جنھوں نے اپنی تعلیم وتربیت کے ذریعہ ایسے علم وفن کے مینار تعمیر کیے جن سے بین الاقوامی سطح پر ملک کا نام روشن ہوا، وہ دینی مدارس جو اپنی تاریخ کی روشنی میں ہندوستان کو سب سے بہتر شہری اور امن و امان کے داعی اور محافظ دیتے رہے ہیں، دین و مذہب، علم و ہنر اور امن و آشتی کے ان معماروں کو آج اپنی مذموم ذہنیت اور پست اغراض کے تحت دہشت گردوں کی پناہ گاہ بتایا جارہا ہے اور ان پر بے جا قدغن لگانے اور انھیں ان کے اصل منہاج ومقاصد سے منحرف کردینے کے لیے انصاف وقانون ہی نہیں بلکہ ملک کے آئین اور اس کی قدیم روایات کو پامال کیا جارہا ہے۔

ہم ملک کے ایک شہری ہونے کے ناطے ہی نہیں بلکہ اپنے دین و مذہب کی بنیاد پر اپنی جنم بھومی اور وطن عزیز سے تاریخ کے ہر موڑ پر مکمل وفادار رہے ہیں، ملک کی عزت و وقار اور استحکام و ترقی کے لیے ہم نے بے مثال قربانیاں دی ہیں، گلستانِ وطن کی اپنے خون جگر سے آبیاری کرکے اسے لالہ زار بنایا ہے، اپنے علم وفن اور تہذیب وتمدن کے چراغوں سے ارض وطن کو روشن اور تابناک کیا ہے۔ اس لیے فطری طور پر ہندوستان کے چپہ چپہ سے ہمیں پیار ہے اور بے لوث پیار ہے۔

پھر بھی ہمیں دہشت گرد بتا کر اور ہمارے مذہبی تعلیمی اداروں پر دہشت نوازی کا الزام عائد کرکے قومی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کردینے کی مذموم کوششیں کی جاری ہیں۔ اور یہ سب ملک وقوم کی فلاح و بہبود کے لیے نہیں بلکہ امریکہ اور اس کے حاشیہ برداروں کی خوشنودی میں کیا جارہا ہے۔ تفو برتو اے چشم گردوں تفو!

اس موقع پر ہم صاف لفظوں میں واضح کردینا چاہتے ہیں، کہ ہم مسلمان ہندوستان میں کسی کے رحم وکرم پر نہیں بلکہ اپنے وطن عزیز ہونے کی حیثیت سے رہتے ہیں یہی ہمارا مسقط رأس اور جنم بھومی ہے اسی کی فضاؤں میں ہم پروان چڑھے ہیں، اس کی تعمیر وترقی میں ہم برابر کے شریک ہیں اس لیے اس ملک پر جتنا دوسروں کا حق ہے اتنا ہی ہمارا بھی ہے۔ ملک کے آئین نے ہمیں حقوق شہریت میں مساوات کے ساتھ آزادیٔ رائے، آزادیِ مذہب، اپنی تعلیم وثقافت کی حفاظت اور اس کے لیے تعلیمی ادارے قائم کرنے کے بنیادی حقوق دیئے ہیں۔ یہ حقوق ہمیں جان کی طرح عزیز ہیں جن سے ہم کسی بھی حالت میں دست بردار نہیں ہوسکتے، لہٰذا ایک خاص فکر و ذہنیت کے

تحت ہمارے تعلیمی اداروں کے خلاف جو پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اوراس بہانے انھیں اپنے تسلط کے شکنجے میں کسنے کی مدرسہ بورڈ کے نام سے جو تدبیریں کی جارہی ہیں جس کے ذریعہ درسگاہوں کی صاف وشفاف اور روشن دینی و مذہبی تاریخ کو مٹانے کی مذموم کوشش کی جارہی ہے۔ ہم اس کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کرسکتے۔ قانون وانصاف اور آئین و دستور کے تقاضوں کے مطابق ہم اس کا ہر سطح پر بجان ودل مقابلہ کریں گے۔ خدائے رب العزت ہماری نیتوں میں اخلاص، ہمارے عزائم میں پختگی اور جہد وعمل کو بارآور اور نتیجہ خیز بنائے، آمین۔

ہم اہل مدارس سے بھی کہنا چاہتے ہیں کہ وہ حالات کی نزاکت کو محسوس کریں اور مایوسی و بیدلی اور کسی قسم کی حرص ولالچ کی بجائے عزم وحوصلہ اور حزم واحتیاط اور خدائے وحدہ لاشریک لہ پر پورے توکل واعتماد کے ساتھ اپنے دینی وملّی فریضہ کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف رہیں، طلبۂ علوم قوم وملت کی گرانقدر امانت ہیں جن کی تعلیم وتربیت اور ساخت و پرداخت کی عظیم ذمہ داری ہمارے سروں پر ہے، اگر خدانخواستہ ہم غفلت و بے توجہی یا حکومت وقت کے بچھائے دام ہم رنگ زمیں میں پھنس کر اپنے اسلاف اور بزرگوں کے قائم کردہ منہج مستقیم سے ہٹ گئے تو یوم آخرت میں ہمیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اس لیے ہماری شرعی ذمہ داری ہے کہ ہم طلبۂ عزیز کی تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں پر نظر رکھیں، دیگر غیرضروری مشاغل سے انھیں بچائیں، نیز مدارس کے ماحول کو گردوپیش کی آلودگیوں اور مدرسہ بورڈ کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کی جانب پوری توجہ دیں۔ اسی کے ساتھ خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں کہ اللہ رب العزت مدارس دینیہ کو ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ رکھیں، آمین۔

❁ ❁ ❁

پہلی قسط

قرآن محکم کی شانِ عظیم

از: رشید احمد فریدی
مدرسہ مفتاح العلوم، تراج ضلع سورت

قرآن کیا ہے

اللہ رب العالمین کا وہ کلام جو سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ رحمۃ للعالمین خاتم النّبیین سیّد المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب اطہر (۱) پر تئیس سال کے طویل عرصہ میں بتدریج مختلف مقامات واحوال میں متنوع ضرورت وحکمت کے تحت (۲) اصلاً بنی نوع انسان اور تبعاً جن کی ہدایت اور آخرت کی فلاح ونجات کے لیے خالص عربی زبان میں نازل کیا گیا، جس کے بیان میں یقین وصداقت ہے اور فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہونے کی وجہ سے اعجازی شان رکھتا ہے جو معانی اور حقائق کا خزینہ اور اسرار ومعارف کا غیر متناہی گنجینہ ہے۔ (۳)

آں کتابِ زندہ قرآن حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
نوعِ انساں را پیام آخریں — حاملِ او رحمۃ للعالمیں

چیست قرآن اے کلام حق شناس — رونمائے ربّ ناس آمد بہ ناس
حرف حرفش راست در بر معنئے — معنئے در معنئے در معنئے

اسی کلام ربّانی کو اہل ایمان کے سینوں میں اور اس کے نقوش کو صحیفوں میں حتی کہ اس کے لب ولہجہ کو زبان وذہن میں اس طرح محفوظ کردیا گیا، ترمیم وتحریف سے مأمون ہوگیا۔ پھر اسی طرح یعنی سینہ بہ سینہ اور صحیفہ بہ صحیفہ ہر زمانہ میں تسلسل کے ساتھ اہل اسلام کا اتنا بڑا طبقہ اُسے من وعن نقل کرتا چلا آرہا ہے کہ جس کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً ناممکن ہے۔ (۴) یہی وہ خدا کا ابدی

پیغامِ ہدایت ہے جسے قرآن کہتے ہیں اس پر ایمان لانا ہر فرد پر لازم وفرض ہے اور اس کے کسی بھی جزء کا انکار کفر ہے۔(۵)

عظمتِ قرآن

انسان کی فطرت میں ایسی قوت وصلاحیت ہی کہاں کہ پاک اور بے عیب ذات یعنی خالق کی صفات کو پاسکے اور اس کے کلام پُر انوار کو اِس دنیا میں بلاواسطہ سُن اور سمجھ سکے۔ یہ تو اللہ رب العزت کی ضعیف الخلقت اشرف المخلوقات حضرت انسان پر بے حد عنایت ومہربانی ہے کہ اُس نے اُن حروف واصوات میں جو کہ بشری صفات اور حادث ہیں اپنی صفتِ کلام کی تجلّی فرمائی یعنی اپنی قدرت سے جلالتِ کلام کی حقیقت کو حروف کے لباس میں پوشیدہ کردیا ورنہ اس کے بغیر اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اس میں کلام الٰہی کے سننے کی ہرگز طاقت نہیں تھی چہ جائیکہ اسے سمجھے۔

... وکیف تجلّت لھم تلك الصفة فی طی حروف واصوات ھی صفات البشر ان یعجز البشر عن الوصول الی فھم صفات اللّٰہ عزوجل الا بوسیلة صفات نفسہٖ. ولولا استتار کنہِ جلالةِ کلامہ بکسوة الحروف لما ثبت لسماع الکلام عرش ولاثری ولتلاشی ما بینھما من عظمة سلطانہ وسبحاتِ نورہ الخ (احیاء العلوم ۱/۳۳۹)

پس جس طرح انسان کا جسم اس کی روح کے لیے لباس ومکان ہے اور روح کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے جسد خاکی بھی قابل تعظیم ہوگیا، اسی طرح قرآنی حروف وآواز کی تعظیم بھی اس لیے واجب ہے کہ کلام الٰہی کا نور اور حروف تجلی گاہ ہے۔ حضرت جعفر صادقؒ فرماتے ہیں ''واللہ خدا نے اپنے کلام میں تجلی فرمائی ہے جو مخلوق کے درمیان ہے لیکن لوگ اس کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ (احیاء:۱/۳۳۹)

کسی نے خوب کہا ہے:

چیست قرآن اے کلام حق شناس رونمائے ربِ ناس آمد بہ ناس

اے کلام حق کو پہچاننے والے قرآن کیا ہے؟ یہ لوگوں کے پروردگار کا جلوہ دکھانے والا ہے جو سب لوگوں کے پاس آیا ہے۔

اسی عظمت کے پیش نظر صاحبِ الشفاء قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں ''جس شخص نے قرآن یا اس کے کسی جزء کا استخفاف کیا یا اُسے بُرا بھلا کہا یا کسی حرف کا انکار کیا یا کسی ایسی چیز کا انکار کیا جو صراحتاً

مذکور ہے خواہ وہ کوئی حکم ہو یا خبر یا ثابت کیا جس کی قرآن نے نفی کی ہے یا نفی کی جس کو قرآن نے ثابت کیا ہے درانحالیکہ وہ اُسے جانتا بھی ہے یا قرآن کی کسی چیز میں شک کرتا ہے تو ایسا شخص باتفاق المسلمین کافر ہے (التبیان لا امام النووی ص:۱۶۴) کنز العمال ۱/۵۷۲ میں ہے مَن تَهاوَن بالقرآن خسر الدنيا والآخرة. جس نے قرآن کے ساتھ تحقیر کی وہ دنیا وآخرت میں برباد ہوگیا۔

اور کیوں نہ ہو کہ کلام الملوك ملوك الكلام شاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ پس کیا نہیں معلوم کہ شاہ کی یا اس کے کسی فرمان کی ادنی گستاخی و بے حرمتی گستاخ کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیتی ہے۔ اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ ہر صاحبِ کلام کو اپنا کلام محبوب ہوتا ہے اور اس کی ناقدری مبغوض ہوتی ہے۔ قرآن پاک بھی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے القرآن احب الى الله مِن السموات والارض (مشکوٰۃ) قرآن اللہ تعالیٰ کو آسمان وزمین یعنی کائنات سے زیادہ محبوب ہے۔

کلام الٰہی کے اسمائے گرامی

کسی چیز کو اگر مختلف ناموں سے پکارا اور مختلف لقبوں سے یاد کیا جاتا ہے تو یہ اس کی قدر ومنزلت اور عظمت و رفعت کا پتہ دیتا ہے اس لیے کہ ناموں کی کثرت مسمّٰی کے پوشیدہ حقائق وکمالات کے اظہار کا آئینہ ہے کثرة الاسماء دالةٌ على شرف المسمّى (اتقان ۱/۷۰ طبع دہلی) اس اعتبار سے دنیا کی کوئی کتاب بجز قرآن کے ایسی نہیں ہے جس کے لیے بہت نام تجویز کیے گئے ہوں، پس کہنا چاہیے کہ جس طرح معبود حقیقی کے صفات وکمالات کا اظہار اس کے ننانوے یا زائد ناموں سے کیا جاتا ہے اسی طرح اس کے کلام بلاغت نظام کو مختلف ناموں سے پہچاننا بیشک اس کے علوشان کا قرینہ ہے۔

شیخ ابوالمعالی عزیزی بن عبدالملک نے اپنی کتاب ''البرہان'' میں لکھا ہے اعلم ان الله تعالىٰ سمى القرآن بخمسة وخمسين اسما اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے پچپن نام رکھے ہیں اور بقول بعض اس سے بھی زائد۔ یہاں ان میں سے چند مخصوص ناموں کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے تاکہ کلام اللہ کی عظمت و وقعت دلوں میں اجاگر ہو۔

(۱) **''الکتاب''** کلام الٰہی نے سب سے پہلے اپنا تعارف ''الکتاب'' کے نام سے کرایا ہے۔ الٓم ذلك الكتٰب لاريب فيه، الٓر كتٰب اُحكِمت آيٰتُه.

کتاب کے اصل معنی ''ضم'' (ملانا) اور ''جمع'' ہے۔ ویسے تو ہر کلام اپنے اندر محدود معانی وحقائق کو شامل ہونے کی وجہ سے ''کتاب'' کہلاسکتا ہے، مگر لامحدود حقائق وعجائب علوم ومعارف، احکام واَمثال اور قصص وعِبر وغیرہ کو علی وجہ الکمال جامع ہونے کی وجہ سے ''الکتاب'' کہے جانے کا مستحق حقیقت میں یہی کلام الٰہی ہے جس میں قطعاً شک کا شائبہ تک نہیں ہے۔ (مفردات للراغب ص۴۲۳، اتقان ۱/۶۷) نیز کتاب کے عرفی معنی ''نوشتہ'' (لکھا ہوا) ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پہلے ہی قدم پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ جواب نقش کررہا ہے کہ وہ تو ابتدائے نزول سے ہی مکتوب ونوشتہ شکل میں مخلوق کے پاس محفوظ رہنے والا ہے۔ اس لئے یہ کہہ کر ''قرآن عہد صدیقی کا مرتب کردہ ہے'' قرآن کے کسی جزء کو مشکوک ٹھہرانا باطل ہے۔ (تدوین قرآن ازافادات مولانا مناظر احسن گیلانی)

(۲) ''**القرآن**'' اس کتاب کا سب سے مشہور نام ''قرآن'' ہے شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن، انا انزلناه قرآناً عربیًا، ان علینا جمعه و قرآنه.

کلامِ الٰہی کا یہ نام جس کو خود اللہ تعالیٰ نے ساٹھ (۶۰) سے زائد مقام پر ذکر کیا ہے ایسا منفرد نام ہے جو ناخواندہ (اَن پڑھ) قوم کو قرأت (۶) (پڑھنے) سے مانوس کرنے اور علم وعدل سے وابستہ کرنے کیلئے کفار کے علی الرغم تجویز کیا گیا ہے جن کی کوشش یہ تھی کہ شوروغوغا کرکے اس کلام کو پڑھنے اور سنے جانے کے قابل نہ رکھیں۔ (۷)

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں ''نہ تو کسی شئی کے مجموعہ کو اور نہ ہی ہر کلام کے مجموعہ کو ''قرآن'' کہا جاتا ہے بلکہ یہ صرف آخری پیغام خداوندی پر بولا جاتا ہے جو کتب سماویہ متقدمہ کے مضامین اور تمام علوم کے ثمرات کو جامع ہے'' (منفردات ص۴۰۲) مولانا رحمت اللہ لدھیانویؒ لکھتے ہیں ''یہ کتاب زبور کی طرح مجموعۂ مناجات بھی ہے اور انجیل کی طرح مجموعۂ امثال بھی ہے توریت کی طرح گنجینۂ شریعت بھی ہے اور کتب دانیال ویسعیاہ کی طرح خزینۂ اخبار مستقبل بھی ہے۔ (مخزن اخلاق ص۴۵۷)

لفظ ''قرآن'' کے اشتقاق میں علماء کا نقطۂ نظر مختلف ہے۔ امام محمد بن ادریس الشافعیؒ تو اسم جامد ہونے کے قائل ہیں اور مشتق ہونے کے اقوال میں سے دو ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱- قرآن فُعْلان بالضم کے وزن پر مصدر بمعنی المفعول ہے جو ''قرء'' یا ''قرأت'' (مہموز اللام) سے ماخوذ ہے اس کے اصل لغوی معنی ''جمع الکلمات بعضها الی بعض فی الترتیل''

یعنی ''پڑھنا'' ہے گویا قرآن کا نزول ہی پڑھنے کے لیے ہوا ہے چنانچہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کلام مجید ہی ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی۔ کبھی کسی زمانہ میں بالکلیہ اس کی قرأت نہ متروک ہوسکتی ہے اور نہ ہی اہل اسلام اس کے پڑھنے سے پہلوتہی کرتے ہیں۔

۲-قرآن ''قَرُن'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ملانا ہے یعنی فصاحت و بلاغت میں اس کے تمام کلمات مربوط اور سورتوں اور آیتوں کا تناسب وتناسق ایسا ہے کہ ہر آیت اعجاز میں اپنے ماقبل و مابعد سے مستقل ہونے کے باوجود پورا کلام معناً مقرون ومرتبط ہے۔ (مفردات ص۴۰۲، اتقان ص ۶۸)

(۳) **''الفرقان''** قرآن پاک کا ایک امتیازی نام ''الفرقان'' ہے وانزل الفرقان، تبارك الذى نزل الفرقان على عبده.

فرق کے معنی دو چیزوں کے درمیان فصل کرنا خواہ وہ فصل آنکھوں سے دکھائی دے یا دل سے ادراک کیا جائے (مفردات ص ۳۷۷) یعنی قرآن مجید بنی آدم کو ایسے احکام وتعلیمات سے آگاہ کرتا ہے کہ جن سے ایمان وکفر، حق وباطل اور مطیع وعاصی کے درمیان ایک حدفاصل پیدا ہوجاتا ہے اور اس سے حق یعنی اسلام کا پسندیدہ ومقبول ہونا اور غیر اسلام کا باطل ومردود ہونا عیاں ہوجاتا ہے۔ ليحق الحق ويبطل الباطل اور اُس فرقان پر صحیح عمل کرنے والوں کو ایسی شان عطا کرتا ہے جس سے وہ دوسروں سے ممتاز ہوجاتے ہیں۔

(۴) **''برھان''** قرآن کا ایک اہم نام ''برہان'' ہے قد جاء كم برهان من ربكم ''برہان'' ایسی مستحکم دلیل کو کہتے ہیں جس میں قطعی اور ابدی سچائی نمایاں ہو (مفردات ص ۴۵) یعنی یہ کلام الٰہی ماضی کے واقعات اور مستقبل کے اخبار واحوال کو حتمی صداقت وحقانیت کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ شکوک واوہام کا پردہ چاک کرکے یقین تک پہنچادیتا ہے اور جو اس کی سچائی میں رخنہ اندازی کرے اُن سے ان کے دعوی پر اسی طرح کی مضبوط ومستحکم دلیل کا مطالبہ کرتا ہے۔ قل هاتوا برهانكم ان كنتم صٰدقين.

(۵) **''تنزیل''** قرآن شریف کا ایک بنیادی نام ''تنزیل'' ہے تنزيل من حكيم حميد، تنزيلٌ من ربِّ العٰلمين.

یعنی یہ کلام جو فرقان اور برہان ہے اس کا مبدأ ومصدر عرب کے کسی فصیح وبلیغ ادیب یا غیب کی جھوٹی خبر دینے والے کاہن ونجومی یا کسی بڑے مصلح اور ریفارمر کی ذات حتی کہ نبی کی ذات بھی

نہیں ہے بلکہ ایک ایسی بے عیب و بے نظیر ہستی لیس کمثلہ شیء کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو سارے ہی کمالات کا سرچشمہ اور ساری قوتوں کا تنہا مالک ہے جہاں عجز وضعف اور جہل کا ادنی واہمہ تک نہیں ہے اور جو تمام مخلوق کا یکتا حقیقی مربی ہے جس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا انسان بلکہ ہر مخلوق کا فطری جذبہ اور اس کی دعوت ہے۔

(۶) **''الذکر''** قرآن کا ایک خصوصی نام ''الذکر'' ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحٰفظون، وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس، ان هو الا ذکر للعٰلمین.

یعنی قرآن شریف دینی و دنیوی انعامات یاد دلا کر نافرمان قوموں کی عبرت خیز ہلاکت اور مومنین کی حیرت انگیز نجات کے سچے واقعات بیان کرتے ہوئے تمام انسانوں کے لیے عبرت پذیری اور نصیحت گیری کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اور افلا یتذکرون، لعلکم تذکرون جیسے کلمات سے لوگوں کو خواب غفلت سے ہوشیار کرتا ہے تاکہ موت اور مابعدالموت کی حقیقی دائمی زندگی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرلیں۔

(۷) **''حبل اللّٰہ''** قرآن کا ایک وصفی نام ''حبل اللہ'' ہے واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا ولا تتفرقوا.

خدا کی زمین پر جو انسان (وجن) دانستہ یا نادانستہ طور پر اپنے خالق کی طاعت و بندگی سے بیزار ہیں اور کفر ومعصیت کے گڑھے اور دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور قعرِ مذلت سے نکل کر منزل کی تلاش اور قرب الٰہی کے طلبگار ہیں ایسے تمام لوگوں کے لیے قرآن مجید اللہ کی اتاری ہوئی رسی ہے جو اسے مضبوطی سے تھام لے گا وہ کفر وعصیان کے گڑھے سے نجات پاکر بلند مقام پر پہنچ جائے گا۔ حبل اللّٰہ هو القرآن (کنزالعمال ۱/۲۷۷)

(۸) **''النور''** قرآن کا ایک روشن وصف ''النور'' ہے وانزلنا الیکم نورا مبیناً، قد جاء کم من اللّٰہ نورٌ.

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نور بصر اور نور عقل دونوں نعمت سے نوازا ہے پس جب انسان نور عقل کے ذریعہ اللہ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ کی رسالت تسلیم کرکے قرآنی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو یہ قرآن اُسے نور معرفت عطا کرتا ہے جس سے وہ مؤمن گناہوں کی ظلمت سے بچتے ہوئے ان هذ القرآن یهدی للتی هی اقوم قرآن کی روشنی میں جنت کا راستہ طے کرتا چلا جائیگا۔ یسعی نورهم بین ایدیهم وبایمانهم (مفردات ص ۵۰۷، اتقان ۱/۶۸)

(۹) ''**الشفاء**'' قرآن کا ایک دل پذیر نام ''شفاء'' ہے قل هو للذين آمنوا هدىً وشفاء، وشفاء لما في الصدور.

روئے زمین پر قرآن مجید ہی وہ نسخۂ صحت ہے جس کی ہدایت پر کما حقہ عمل کرنا امراضِ قلبیہ (کفر، جہل، کبر، حسد، خیانت، بغض، وغیرہ) سے صحت وشفاء کا ضامن ہے ويشف صدور قوم مؤمنين بلکہ قرآن کے ظاہری الفاظ بھی انسان کی جسمانی بیماریوں کے لیے دوائے شیریں ہے حتی کہ اسی تاثیر کی وجہ سے ایک مستقل سورۃ کا نام بھی ''سورۃ الشفاء'' ہے۔ (اتقان ۱/۶۸)

مختلف سورتوں کے مختلف نام

جس طرح مکمل قرآن پاک کے مختلف اسماء ہیں اسی طرح اس کی سورتوں کے بھی ایک سے زائد نام وارد ہوئے ہیں بلکہ بعض بعض آیتوں کے بھی مستقل نام حدیث سے ثابت ہیں، مثلاً سورۂ فاتحہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں قد وقفت لها على نيف وعشرين اسما.

یہاں صرف نمونہ پیش کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

(۱) فاتحۃ الکتاب (۲) ام القرآن (۳) السبع المثانی (۴) سورۃ الحمد (۵) سورۃ الصلاۃ (۶) سورۃ الشفاء (۷) سورۃ المناجاۃ (۸) سورۃ الادب وغیرہ۔

سورۂ بقرہ کو سنام القرآن فسطاط القرآن بھی کہا گیا ہے
سورۂ مائدہ کو سورۃ العقود سورۃ المنقذہ بھی کہتے ہیں
سورۂ انفال کو سورۃ البدر بھی کہتے ہیں
سورۂ برأۃ کو سورۃ التوبۃ سورۃ الفاضحۃ سورۃ العذاب بھی کہا گیا ہے
(تفصیل کے لیے اتقان کی مراجعت فرمائیں)

چند آیتوں کے نام

آیۃ الکرسی، آیۃ المباہلہ، آیۃ الربا، آیۃ المیراث، آیۃ الحجاب، آیۃ التخییر، وغیرہا۔

نیز یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جہاں سورتوں کے ایک سے زائد نام آئے ہیں اس کے برعکس چند سورتوں کے مشترک نام بھی آئے ہیں۔ كما سميت السورة الواحدة باسماء سُميت سُورٌ باسم واحد (اتقان ۱/۷۴)

(۱) زہراوین: سورۂ بقرہ وآل عمران

(۲) جامدات: وہ سورتیں جن کے شروع میں ''الحمد'' ہے جیسے سورۂ فاتحہ، انعام، کہف، سبا، فاطر۔

(۳) حوامیم: وہ سورتیں جن کے شروع میں ''حم'' ہے جیسے سورۂ مؤمن، حم سجدہ، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف۔

(۴) مُسَبِّحات: وہ سورتیں جن کے شروع میں تسبیح کا کوئی صیغہ سبّح یا یسبح وغیرہ ہے جیسے اسراء، حدید، حشر، جمعہ، تغابن، اعلیٰ۔

(۵) معوّذتین: سورۂ فلق، سورۂ ناس۔

بعض سورتوں کو ایسے بھی نام دئے گئے ہیں جن سے انکا مقام یا شان واضح کی گئی ہے مثلاً:

(۱) ام القرآن سورۂ فاتحہ (۲) سنام القرآن سورۃ البقرہ

(۳) نواجب القرآن سورۂ انعام (۴) قلب القرآن سورۃ یٰس

(۵) عروس القرآن سورۂ رحمٰن (۶) دیباج القرآن الحوامیم

(۷) ریاض القرآن المفصلات

(تفصیل کے لیے اتقان، برہان، اور فتح العزیز ملاحظہ فرمائیں)

جمع قرآن اور اس کی حفاظت

حفاظت کلام کے دو بنیادی طریقے ہیں الضبط ضبطان (نخبۃ الفکر) ایک حفظ (ازبر) کرنا دوسرا کتابت یعنی کسی چیز پر نقش کرنا اِن دونوں میں بھی اصل واہم حفظ ہے ان المعوّل علیه وقتئذ کان هو الحفظ والاستظهار (مناہل العرفان ۱/۲۵۳) اس لیے کہ مکتوب علیہ (جس پر کلام لکھا گیا ہے) کے پھٹنے یا جلنے، ڈوبنے یا چھن جانے سے نوشتہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے جبکہ لوح قلب پر جو محفوظ ہوگیا وہ اِن تمام خدشات سے مامون ہوتا ہے اِلا یہ کہ تقدیر الٰہی کے ماتحت صفحۂ دل سے محو کردیا جائے تو یہ امر آخر ہے۔

قادر مطلق نے اپنے کلام کی حفاظت کے لیے دونوں نظام چلائے ہیں چنانچہ سب سے پہلے عام کتب سماویہ کی طرح قرآن کو کتابی شکل میں نازل کرنے کے بجائے لوح محفوظ سے نبی ﷺ کے لوحِ قلب پر نازل کیا نزل به الروح الامین علی قلبك اور اس کی حفاظت کا وعدہ

فرما کر دل سے محو ہو جانے کے اندیشہ کو زائل فرمایا انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحٰفظون، ان علینا جمعه وقرآنه یعنی خدائے حافظ نے اپنے حبیب ﷺ کو کلام کا حافظ بنا دیا۔ اور ثانیاً ذلک الکتٰب کہہ کر کتابت کے ذریعہ محفوظ کرنے کا اشارہ فرما دیا۔

جمع نبوی

صاحب وحی نبی اکرم ﷺ پر وحی کا نزول ختم ہوتے ہی قرآن آپ کے سینہ میں محفوظ ہو جاتا تھا پھر سب سے پہلے تحریراً ضبط کرنے کے لیے کاتبانِ وحی میں سے کسی کو طلب فرماتے جیسے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام اور عموماً حضرت زید بن ثابتؓ حاضر خدمت ہوتے اور نازل شدہ حصہ کو کسی پائدار چیز پر لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے۔ پھر یہ لکھا ہوا کلام صحابہ کے سامنے پیش کیا جاتا اور پڑھ کر سنایا جاتا تھا اس طرح پورا قرآن "رقاع" چمڑے کے ٹکڑوں "اکتاف" اونٹ کی گول چوڑی ہڈیوں "اقتاب" کجاوہ کی چوڑی پٹیوں "لَخاف" سطیٹ نما سفید پتھر کی پلیٹوں "ادیم" دباغت شدہ چمڑوں "عسیب" کھجور کے پتوں کی جڑ کا حصہ (۸) وغیرہ اشیاء میں محفوظ کر لیا جاتا تھا اور پھر صحابۂ کرام حضور ﷺ کے روبرو لکھے ہوئے حصۂ قرآن کی نقل اتار لیا کرتے تھے کنّا نؤلف القرآن عند رسول الله صلی الله علیه وسلم (کنز العمال) اور رسالتمآب ﷺ سے سن کر حفظ کر لیتے تھے۔ غرض پورا کلام الٰہی صرف نبیٔ پاک ہی نہیں بلکہ صحابہ کرام کے پاس بھی مذکورہ بالا دونوں طریقوں سے نزول کے ساتھ ساتھ محفوظ ہوتا چلا گیا۔ اور جب سلسلۂ وحی بند ہوا تو اس وقت تک سو پچاس نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد کم وبیش حصۂ قرآن کے حافظ وقاری صحابہ میں موجود تھے اور کچھ خوش نصیب ایسے بھی ہیں جنھیں فاتحہ الکتاب سے والناس تک مکمل قرآن حفظ تھا اسی طرح مکمل قرآن پاک کی نقلیں بھی محفوظ تھیں (مناہل العرفان ۱/۲۴۵)

پس مستشرقین کا یہ کہنا کہ ''قرآن صاحب وحی کی حیات میں محفوظ نہیں تھا'' یا ''صدیق اکبرؓ کے زمانہ ہی میں جمع کیا گیا'' بے بنیاد اعتراض ہے بلکہ دانستہ طور پر حقیقت کا انکار ہے۔

جمع صدیقی

پھر اس کے بعد ایک طرف تو حفظِ قرآن کا سلسلہ چلتا رہا، مگر دوسری طرف چھوٹے بڑے معرکوں میں حافظِ قرآن صحابی بھی جام شہادت پی کر داغ مفارقت دیتے رہے یہاں تک کہ جنگ

یمامہ میں جو حضور ﷺ کی وفات سے قریب ہی مدت میں لڑی گئی ہے ستر یا سات سو حفاظِ صحابہ کی شہادت نے فاروق اعظمؓ جیسے وزیر با تدبیر کی وزارت میں لرزہ پیدا کردیا اور امت مسلمہ مرحومہ کا بیڑا منجدھار میں نہ پھنس جائے مُلهَم ومُوفَّق من اللّٰہ شخص جس کی زبان پر حق ہی جاری ہوتا ہے یعنی حضرت عمرؓ نے خلیفہ رسول صدیق اکبر سے عرض کیا کہ قرآن کو یکجا محفوظ کرلیا جائے کہ حضور ﷺ سے براہ راست کلام اللہ کو سن کو حفظ کرنے والے اور آپ کے سامنے قرآن کو لکھ کر اس کی حفاظت کرنے والے ابھی بے شمار صحابہ موجود ہیں جو قرآن کے تواتر کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی فرمائش پر صدیق اکبرؓ کے سینہ کو اِس عظیم خدمت کے لیے منشرح فرمادیا۔ اب شیخین نے مل کر حضرت زید بن ثابتؓ کو اس خدمت کے لیے مستعد کیا، اللہ رب العزت نے ان کو بھی شرح صدر کی دولت سے سرفراز کیا۔ چنانچہ خلیفہ رسول کی نگرانی میں انتہائی تفتیش و تحقیق اور شرعی شہادت اور غایت درجہ احتیاط ملحوظ رکھتے ہوئے مذکورہ بالا اشیاء ''رقاع'' وغیرہ سے جس ترتیب سے حضور ﷺ نے ضبط کرایا تھا اور جس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی بعینہٖ اس کو دوسرے اوراق میں یکجا کردیا گیا اور گتے لگا کر دھاگوں سے باندھ دیا گیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ جوان ہی کے لیے ازل سے مقدر تھا کہ اللہ تعالیٰ جس سے امت کی شیرازہ بندی کا کام لینے والا ہے اسی سے امت کے ہدایت نامہ کی شیرازہ بندی کرائیں کان القرآن فیھا منتشرًا فجمعھا جامع وربطھا بخیط (کنزالعمال) تاکہ مجموعۂ واحد کی حفاظت آسان ہو اور پورے قرآن کی تلاوت اور اس سے استفادہ سہل ہوجائے۔

اس طرح قرآن کا یکجا کرنا حضور ﷺ کی وفات کے بعد ہی ممکن تھا اس لیے کہ آپ کے انتقال تک نسخ وغیرہ کا احتمال موجود تھا۔ انما لم یجعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مصحف واحد لما کان یتوقع من زیادتہ ونسخ بعض المتلو ولم یزل ذلك التوقع الی وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم. (التبیان ص۱۸۶، مناہل العرفان، تدوین قرآن لمناظر گیلانیؒ)

جمع فاروقی

عرف عام میں ''جامعِ قرآن'' کا مہتم بالشان لقب حضرت عثمان غنیؓ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اِس لفظ ''جامعِ قرآن'' سے مراد عین قرآن کو جو منتشر تھا جمع کرنا ہے تو جامعِ قرآن حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں جس کے محرک اور داعی فاروق اعظم ہیں اور اگر امت کو قرآن پر جمع کرنا مراد ہے

جیسا کہ حضرت عثمانؓ کو غالباً اسی اعتبار سے ''جامعِ قرآن'' کہا جاتا ہے تو پھر پورے وثوق اور یقین سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ واقعتاً ''جامعِ قرآن'' ہیں چنانچہ حکمت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اوّلاً نبیٔ امی ﷺ نے نفس قرآن کو محفوظ فرمایا پھر صدیق اکبرؓ نے مصحف واحد میں یکجا فرمایا جس سے اصل قرآن کی حفاظت ہوگئی اب ضرورت تھی نزولِ قرآن کے اولین مقصد یعنی تلاوت پر امت کو کسی خاص ڈھنگ سے جمع کردیا جائے یہ کارنامہ حضرت عمرؓ کے لیے مقدر تھا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں حفاظت قرآن کا ایک عجیب نظام قائم کیا رہنمائی خود صاحب قرآن ﷺ نے فرمادی تھی لیکن بعض مصالح کی بناء پر آپ ﷺ نے حتمی شکل وصورت متعین نہیں کی تھی اور خلیفۃ الرسول حضرت صدیق اکبر کو اپنی خلافت کی قلیل مدت میں امت کی شیرازہ بندی کی وجہ سے موقع میسر ہی نہیں آیا کہ اس طرح متوجہ ہوتے۔ بہرحال اب تک صحابہ کرام اور تابعین عظام انفرادی طور پر نماز میں قرآن پڑھا کرتے تھے بالخصوص رمضان شریف میں پڑھنے والوں کی کثرت ہوتی تھی۔ بالآخر حضرت عمرؓ نبوی ہدایت کی روشنی میں اجتماعی طریقہ سے حفظاً قرأت اور سماع پر سب لوگوں کو جمع کیا یعنی ماہ مبارک (افضل الشھور) میں شب کی نماز کی بیس رکعتوں میں جماعت کے ساتھ قرآن کے پڑھنے اور سننے کا سلسلہ جاری فرمایا جسے شریعت کی زبان میں تراویح کہتے ہیں۔ تمام صحابہ اور تابعین نے بلانکیر اس انوکھے اور مستحکم طریقہ کو بہت پسند فرمایا اور عملاً اس پر متفق ومتحد ہوگئے لہٰذا حضرت عمر بھی جامع للقرآن ہوئے یعنی جامع الامة علی قرأة القرآن فی التراویح اجماع صحابہ وتابعین نے حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل کو قطعی بنادیا اور قیامت تک کے لیے (۲۰) بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ قرار پائی۔

پس حضرت صدیق اکبرؓ کا جمع قرآن اجماعی ہے اور حضرت عثمانؓ کا رسم الخط بھی اجماعی ہے بالکل اسی طرح حضرت عمرؓ کا مسئلہ تراویح بھی اجماعی ہے اور ان میں سے کسی بھی اجماع کا انکار اہل السنۃ والجماعۃ سے انحراف اور ضلالت ہے۔

جمع عثمانی

حفاظتِ قرآن کے سلسلہ میں اب ایک اہم کام باقی رہ جاتا ہے کہ ایک سے زائد طریقۂ ادار سے قرآن پڑھنے کی جو اجازت دی گئی ہے جیسا کہ حضرت اُبی بن کعب کی حدیث میں ہے ان اللہ یامرك ان تقرء امتُك القرآن علی سبعة احرف فایما حرف قرء وا علیه فقد

اصابوا (مسلم) وہ کہیں آگے چل کر حق وباطل کے اختلاف کا سبب نہ بن جائے اس طرح پر کہ مختلف قبائل کے لوگ جب اپنے اپنے طریق ادا کے مطابق رسم الخط میں قرآن کی نقل تیار کرنے لگیں گے اور اس کی وجہ سے ہر قبیلہ کا قرآن دوسرے قبیلہ کے قرآن سے رسم الخط میں جدا نظر آئے گا پھر ہر ایک اپنے طریق ادا، کو حق بتانے کے لیے اپنا قرآن پیش کرے گا تو مستقبل میں فتنۂ عظیم برپا ہوگا (اتقان، الفوز الکبیر، تاریخ طبری ۱/۶۵۱) اس لیے حکمت الٰہیہ کا تقاضہ ہوا کہ رسم الخط کے اعتبار سے الگ الگ مصحف کو ایک مصحف پر جمع کردیا جائے۔ عثمان جمع المصاحف علی مصحف واحد (مقنع للدانی ص۸) تاکہ امت اختلاف کا شکار نہ ہو اور رسم الخط کی وحدت پر مجتمع ہوجائے اور قرأتِ متواترہ جو منزل من اللہ ہے اور اس میں امت کے لیے سہولت بھی ہے وہ بھی سالم اور محفوظ رہے۔(۹)

مذکورہ تحریر سے معلوم ہوا کہ قرآن کا نزول جس طرح بتدریج ہوا ہے اسی طرح اس کی حفاظت میں بھی تدریجی حکمت پنہاں ہے بلکہ دونوں کی مدت بھی تقریباً یکساں ہے۔ الفاظ کے بعد معانی کا درجہ ہے جس کا دروازہ خلیفہ رابع حضرت علی ہیں انا مدینة العلم وعلی بابها (جامع الصغیر ۳/۴۶) ماشاء اللہ کیا خوب ترتیب ہے۔ (جاری)

حواشی:

(۱) نزل به الروح الامین علی قلبك پ ۱۹:

(۲) نزل فی نیف و عشرین سنة فی احکام مختلفة لاسباب مختلفة (اتقان ۲/۱۳۸)

انزل الملِك علی الاطلاق جلّ شانه علی نبیه صلی اللّٰه علیه وسلم لهدایة عباده سورة بعد سورة حسب متطلّبات الظروف (الفوز الکبیر ص ۸۷)

(۳) القرآن هو الوحی المنزل علی محمد صلی اللّٰه علیه وسلم للبیان والاعجاز (اتقان ۲/۱۳۸)

(۴) انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون (قرآن)

هو المنزل علی الرسول المکتوب فی المصاحف المنقول عنه الینا نقلا متواتراً بلاشبهة (نورالانوار، تعریفات للجرجانی ص ۷۵) (۵) فتح الباری ص۹ (۶) اشارة الی اشتقاقه من القرأة او القرن.

(۷) لاتسمعوا لهٰذا القرآن والغوا فیه پ ۲۶

(۸) عرب میں کھجور کے پتوں کی جڑ ہمارے یہاں کے ناریل کے پتوں کی جڑ کی طرح چوڑی ہوتی تھی نہ کہ ہندوستانی کھجور کے پتوں کی جڑ (از تدوین قرآن مولانا مناظر احسن گیلانی)

(۹) جمع عثمانی کا مزید بیان رسم عثمانی کے ذیل میں آئے گا، ان شاء اللہ۔

امنِ عالم
سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

از: محمد اسلم قاسمی
استاذِ حدیث وقف دارالعلوم دیوبند

امن وامان روئے زمین پر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ امن نہیں ہے تو نہ عالم انسانیت کے ارتقاء کا عمل جاری رہ سکتا ہے نہ معاشرتی زندگی کی بقاء۔ ہر انسانی تحقیق اور ترقی کا وجود امن وسلامتی اور سکون سے ہے، اگر سکون ہی میسر نہیں تو فکری اور عملی ترقی کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ اسلام ایک متحرک دین ہے اس لیے امن کا سب سے بڑا علم بردار ہے، چنانچہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مغربی نظریہ کے مطابق ''آزادی'' Summum Bonum یعنی ''خیر کثیر'' ہے جبکہ اسلام نے ''امن'' کو خیر کثیر قرار دیا ہے۔

اسلام جو ایک آفاقی مذہب ہے اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے کہ معاشرے میں امن وسکون رہے تاکہ لوگوں کی سوچ متحرک ہو اور ترقی کے راستے سامنے آئیں۔ اسی لیے دین کی بنیاد اللہ سے جڑے رہنے اور تقویٰ یعنی ایک پاکیزہ زندگی پر قائم ہے جو اسلام کی پہلی سیڑھی ہے۔ اچھے اور بُرے لوگ ہر فرقہ میں ہوتے ہیں مگر یہ دنیا کا قدرتی نظام ہے کہ ہر سوسائٹی میں ہمیشہ اچھے افراد بہت زیادہ ہوتے ہیں اور بُرے افراد بہت تھوڑے اس لیے کسی پورے کے پورے فرقہ کو ظالم اور غلط کار کہنا ایک مُسلّمہ حقیقت کا انکار کرنے کی جاہلانہ جسارت کہلائے گا۔

ایمان، اسلام اور سلامِ مُلاقات کے الفاظ میں امن وسلامتی کا ہونا ہی سب سے پہلے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس مذہب کے خمیر میں ہی ''امن وسلامتی'' شامل ہے کیونکہ یہی تینوں چیزیں ایک دین کی ظاہری علامت ہوتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت کا ارشاد ایک ''مومن'' یعنی

ایمان والے شخص کی مزاجی کیفیت اور عمومی نفسیات کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مومن وہی ہوسکتا ہے جس سے دوسرے لوگ اپنے جان و مال کو مامون ومحفوظ جانیں'' حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک سچا مسلمان ہمیشہ تقویٰ کے مقام پر رہتا ہے جس کے معنی ہیں خدا کا خوف، احتیاط اور برائیوں سے بچنا۔ قرآن کریم میں تقویٰ یعنی پرہیزگاری کا لفظ بطورِ نصیحت اتنا بار ہا بار دہرایا گیا ہے کہ ایک عامی شخص بھی اس سے بیگانہ نہیں۔ دنیا میں جینے کا اصول ہی یہ ہے کہ آدمی انتہائی محتاط ہوکر ہر قسم کی برائی، گناہ اور نزاع و جھگڑے سے اپنا دامن بچائے رکھے۔ یہی مُتَّقی آدمی کی پہچان ہے اور یہی سب کے لیے امن وسلامتی کا راستہ ہے۔ تقویٰ کی تعلیم سے قرآنِ پاک بھرا ہوا ہے۔ جناب پیغمبر خدا کا فرمان ہے کہ ''سب سے اعلیٰ ایمان یہ ہے کہ تم یہ جانو کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے'' اب جو شخص یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی نگرانی میں ہے تو وہ اپنے ہر عمل میں انتہائی محتاط ہوجائے گا اور پھونک پھونک کر ہر قدم اٹھائے گا۔

انسانی زندگی کا احترام قرآنِ کریم نے جس عجیب ومؤثر پیرائے میں بیان فرمایا ہے اُس تک دنیا کا بڑے سے بڑا مُصلح اور اَمن کا علمبردار بھی نہیں پہنچ سکا۔ ارشادِ قرآنی ہے کہ ''جو شخص کسی انسان کو بلاوجہ مار ڈالے تو یہ ایسا ہے جیسے اُس نے ساری دنیا کے انسانوں کو قتل کرڈالا اور جو شخص کسی ایک انسان کی زندگی بچالے تو گویا اُس نے سارے انسانوں کو بچالیا۔'' (مفہوم آیت)

اسلام میں جنگ کا تصور صرف دفاعی ہے نہ کہ جارحانہ اور حملہ آور کے طور پر پھر اس جنگ کے اصول بھی خالص انسانی اور رحم وترحم کی بنیاد پر انتہائی سخت ہیں کہ جنگ میں بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور مذہبی لوگوں اور دینی پیشواؤں پر حملہ کرنے کی ممانعت ہے، پھر اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور اِبلاغ وتبلیغ کا کام امن وسکون چاہتا ہے اس لیے اسلام سب سے پہلے اَمن وامان کا داعی اور مُدّعی ہے۔ حالتِ جنگ ایک افراتفری کی حالت ہے جس میں کوئی تعمیری کام اور آپسی میل جول یا اتحاد واتفاق اور دعوتی مشن ممکن نہیں۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''دشمن سے ٹکراؤ اور آمنا سامنا ہونے کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ سے امن وعافیت مانگو''۔ جنگ اسلام میں ایک غیر مطلوب عمل ہے، بلکہ اصل جہاد خود اپنے جی اور خواہشاتِ نفس سے لڑنا ہے کہ نفس آدمی کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یہی غلط خواہشات کا سرچشمہ ہے۔ اسی لیے ایک دفاعی مُہم سے واپسی پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد یعنی جنگ سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف آئے ہیں، یعنی غلط خواہشات سے لڑنے کی طرف لوٹے ہیں۔

اسلام نفرت کا نہیں پیار کا مذہب ہے۔ آج کل اسلام دشمن جماعتیں اِس آیت کو سنا کر اپنے بغض و جہالت کا پرچار کرتی ہیں کہ قرآن کہتا ہے کہ ''غیر مسلموں کو جہاں پاؤ قتل کردو'' حالانکہ یہ آیت صرف برسرِ جنگ فریق کے متعلق اتری ہے کیونکہ جو لوگ کسی کے خلاف برسرِ جنگ ہوں تو یہ اسلام ہی کا نہیں ساری دنیا کی قوموں کا اصول ہے کہ انھیں قتل نہیں کیا گیا تو مقابل اس کو قتل کردیں گے۔ پھر یہ مخالفین اسلام اس آیت کو تو سامنے رکھتے ہیں لیکن اِس دوسری آیت کو دانستہ نظر انداز کرتے ہیں جس میں ہے کہ: ''اللہ تمھیں اُن لوگوں یعنی غیر مسلموں کے ساتھ احسان وانصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے معاملے پر نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ (سورۂ ممتحنہ، نمبر سورہ ۶۰، آیت نمبر ۸)

جنگ اسلام میں بدرجۂ مجبوری اور صرف دفاع کے لیے ہے۔ ہاں دشمن خود ہی چڑھ دوڑے تو اس کا مقابلہ کرنا لازم ہے۔ جارحیت کا سامنا کرنے سے جی چُرانا بُزدلی ہے جسے دنیا کا کوئی نظام اور کوئی ہوشمند انسان درست نہیں کہہ سکتا۔ حضورِ اکرم ﷺ کے دور میں جتنی بھی جنگیں سامنے آئی ہیں ان کی تاریخ صرف اور صرف دفاعی ہے۔ ان میں کوئی بھی جنگ اقدامی یا جنگ برائے خونریزی نہیں۔ جب دیگر پیشوایانِ مذاہب جنگ و خونریزی سے دور رہے تو وہ پیشوائے اسلام جس کو اللہ نے رحمتِ مجسم بنایا اور ''رحمۃ للعالمین'' کے جیسا مُنفرد لقب عطا فرمایا کیسے کسی کے لیے خلافِ رحم و مروّت بات کو سوچ سکتا ہے! اسلام نے تو لڑائی کو جنگ کا نام تک نہیں دیا بلکہ اُس کو ''جہاد'' کے جیسا عنوان دیا جس کا مطلب ہے امن کی جدوجہد۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اصل امن وامان ہے، جنگ وخونریزی نہیں۔ اسلام ایک مُثبت عمل ہے اور جنگ ایک منفی عمل۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دو متقابل چیزیں ایک جگہ جمع ہونے کا مطلب ہے کہ ایک ساتھ آگ اور پانی یا اندھیرا اُجالا اکٹھے ہوجائیں۔

اسلام ایک نظامِ خداوندی ہے جو سارے عالم کو اپنی تنویر سے منور کرنا چاہتا ہے۔ یہ اشاعت وتبلیغ وابلاغ سے ہی ممکن ہے۔ لہٰذا اسلام سے زیادہ اَمنِ عالم کا نقیب اور کون ہوسکتا ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ''تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا'' نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص حلال روزی کھائے، میری سنت پر عمل کرے اور کسی بھی انسان کو اپنے عمل سے تکلیف نہ دے وہ جنتی ہے۔'' پھر آپ نے بطور اُصول فرمایا کہ ''شریف آدمی کی بدترین بات یہ ہے کہ وہ اپنی بھلائی سے آپ کو محروم کردے اور بُرے آدمی کی سب سے بڑی اچھائی یہ ہے

کہ وہ اپنی ایذا رسانیوں سے آپ کو محفوظ کر دے'' پھر بھلائی اور احسان کرنے میں حضور ﷺ نے مُسلم و غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں کیا اور فرمایا ''اللہ اپنے بندے کا مددگار رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔'' ایک اور حدیث میں ایک پُر امن مسلمان کے لیے یہ زبردست مژدہ سنایا گیا کہ ''جو شخص عالم انسانیت کو اپنی ایذا رسانیوں سے بچائے رکھے گا تو اللہ پر اُس کا یہ حق ہوگا کہ اُس شخص کو قبر کے عذاب سے بچائے رکھے''

امن کے مقابلے میں بدامنی ہو تو ہر شخص دوسرے کو اپنا دشمن نظر آئے گا۔ ایسے میں حقیقتاً دنیا ظالم اور مظلوم کے خانوں میں بٹ جاتی ہے جس سے پورا معاشرہ فاسد ہوتا ہے، ارتقائی عمل رُک جاتا ہے اور بدامنی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اسلام اپنے ماننے والوں کو امن و اُخوّت اور محبت کی تلقین کرتا ہے کہ پُر امن فضا میں اپنی فکری اور تحقیقی قوتوں کو بروئے کار لا کر سارے عالم کے لیے نفع بخش بنیں تاکہ خیر اُمت ہونے کی وجہ سے مسلمان امامِ اقوام کہلا سکیں اور دنیا میں ملّتِ اسلام سے فیض حاصل کرے۔ چنانچہ کہیں پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ ''بہترین انسان وہ ہے جس سے عالم انسانیت کو نفع پہنچے'' اور کہیں یوں فرمایا کہ ''اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ آدمی وہ ہے جس سے لوگوں کو (یعنی بلاقیدِ مذہب و ملت سارے عالمِ انسانیت کو) سب سے زیادہ نفع پہنچے۔''

اللہ کی اس کائنات میں اُس کی بنائی ہوئی بے جان مخلوقات اپنے کام سے کام رکھتی ہیں۔ کوئی چیز نہ دوسری چیز کا راستہ کاٹتی ہے نہ اُس کے آڑے آکر اُس سے تصادُم کی راہ اختیار کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زمین و آسمان ہوں یا چاند سورج اور سیّارے سب بغیر تصادم اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور اس عالم کا نظام امن و سکون سے چل رہا ہے یہاں تک کہ ہر چیز اپنی پوری پوری نفع رسانی کے ساتھ عمل کر رہی ہے۔ اب یہ کائنات اللہ نے انسان کے لیے بنائی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''یہ دنیا تمہارے لیے بنائی گئی اور تم آخرت کے لیے'' پھر اس کو سمجھ اور شعور دیا گیا تاکہ آدمی محتاط و متقی بن کر مومن کی طرح امن کی زندگی گذارے۔ مگر انسان جب اس نظامِ کائنات سے ہٹ کر ٹکراؤ کا راستہ اختیار کرتا ہے تو امنِ عالم میں رخنہ پڑتا ہے اور دنیا گرفتارِ بلا ہو جاتی ہے۔

آج کا انسان اگر آنحضرت کے اس ارشاد کو ہی مشعلِ راہ بنا لے تو دنیا کی کایا پلٹ جائے۔ آپ سے اسلام و تقویٰ کی حقیقت پوچھی گئی تو بیساختہ ارشاد فرمایا کہ

''اللہ کے حکم کی تعظیم اور اُس کی مخلوق کے ساتھ شفقت۔''

ڈاڑھی کا وجوب

مرتب: حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ
شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

اس سال یعنی ۱۳۹۵ھ میں سفر ہند کے موقع پر ایک نئی بات پیش آئی اس ناکارہ کی روانگی جدہ سے ہندوستان کے لیے ۶/اگست ۱۹۷۵ء مطابق ۲۸/رجب ۱۳۹۵ھ چہارشنبہ کو ہوئی اور اسی روز بمبئی پہنچنا ہوا۔ خیال بمبئی میں دو تین روز قیام کا تھا۔ مگر بمبئی جا کر معلوم ہوا کہ مولانا انعام الحسن صاحب کو مالیر کوٹلہ کا تبلیغی سفر درپیش ہے۔ انھوں نے بمبئی کے احباب کو لکھ رکھا تھا کہ بمبئی میں زکریّا کا قیام زیادہ نہ کرایا جائے۔

اس لیے یہ ناکارہ ایک دن بمبئی ٹھہر کر جمعہ کو بمبئی سے دہلی روانہ ہوگیا۔ اور ایک شب قیام کے بعد مولانا انعام الحسن صاحب مالیر کوٹلہ کے لیے اور یہ ناکارہ سہارنپور کے لیے روانہ ہوگیا۔ سہارنپور سے امسال واپسی بجائے طیارہ کے بارڈر کے راستے ہوئی، اور ۲/ذیقعدہ جمعہ کے دن صبح کو پاکستانی بارڈر پر پہنچنا ہوا۔ پاکستان کا تبلیغی اجتماع جو شنبہ سے شروع ہو رہا تھا سہ روزہ تھا۔ پاکستان میں چند مواقع پر ٹھہرنے کے بعد ۲۱/نومبر ۱۶/ذیقعدہ ہندی کو مکّہ مکرّمہ واپس پہنچا۔

وہ نئی بات سہارنپور کے زمانۂ قیام میں اس مرتبہ خلاف معمول ڈاڑھی کے مسئلہ پر مجھے بہت ہی اشتعال رہا۔ مجھے خود بھی خیال آتا رہا، اور دوستوں نے بھی کہا کہ اس شدت کی نکیر تو میرے مزاج میں پہلے نہیں تھی ہر موقع پر مقطوع اللحیہ کو دیکھ کر طبیعت میں جوش پیدا ہوتا تھا، اور ہر مجمع میں اس پر نکیر کرتا۔ بیعت میں بھی قطع لحیہ سے بچنے کی تاکید کرتا تھا۔ اس شدت کی کوئی خاص وجہ تو میرے ذہن میں نہیں آئی بجز اس کے کہ یہ مرض بہت بڑھتا جا رہا ہے، اور موجودہ دور میں

اس پرنکیر بالکل متروک ہوگئی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے آخری تین چار سال بھی اس پر بہت ہی شدتِ نکیر کے گزرے۔ مجھے ایسے لوگوں کو دیکھ کر جو حضور اقدس ﷺ کی صورت کے خلاف اپنی صورت بناتے اور ڈاڑھی منڈاتے ہیں یہ خیال ہوتا تھا کہ موت کا مقرر وقت کسی کو معلوم نہیں اور اس حالت میں اگر موت واقع ہوئی تو قبر میں سب سے پہلے سیّد الرسل صلی اللہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت ہوگی تو کس منہ سے چہرۂ انور ﷺ کا سامنا کریں گے۔

اس کے ساتھ ہی بار بار یہ خیال آتا تھا کہ گناہِ کبیرہ زنا، لواطت، شراب نوشی، سودخوری وغیرہ تو بہت سے ہیں۔ مگر وہ سب وقتی ہیں کہ ہر وقت ان کا ظہور اور صدور نہیں ہوتا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَایَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ (الحدیث) یعنی زنا کار جب زنا کرتا ہے تو وہ اس وقت مؤمن نہیں ہوتا۔ مطلب اس حدیث کا مشائخ نے یہ لکھا ہے کہ زنا کے وقت ایمان کا نور اس سے جدا ہوجاتا ہے۔ لیکن زنا کے بعد وہ نور ایمانی پھر مسلمان کے پاس آجاتا ہے۔ مگر قطع لحیہ ایسا گناہ ہے جس کا اثر اور ظہور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے نماز پڑھتا ہے تو بھی یہ گناہ ساتھ ہے۔ روزہ کی حالت میں، حج کی حالت میں، غرض ہر فرض ہر عبادت کے وقت یہ گناہ اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ اس وقت بار بار یہ خیال آیا کہ ایک رسالہ ڈاڑھی کے متعلق مختصر سا لکھوں۔

مگر ہندوستان کے قیام میں اس کا بالکل وقت نہ ملا۔ ہندوستان سے واپسی پر وہ جوش تو اگرچہ باقی نہیں رہا۔ مگر رسالہ لکھنے کا خیال بدستور دامن گیر ہے۔ اس لیے آج ۲۹/ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ یومِ چہارشنبہ بوقت ظہر مسجدِ نبوی میں اس کی بسم اللہ تو کرادی اللہ تعالیٰ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ اس وقت حجاجِ کرام کی رخصت، اور ملاقات کی وجہ سے احباب کا ہجوم رہتا ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی.

اس رسالہ میں دو فصلیں لکھوانے کا خیال ہے۔ فصل اوّل میں حضور پاک ﷺ کے ارشادات اور حضرات صحابہؓ کے آثار مذکور ہیں۔ اور دوسری فصل میں مشائخ اور علماء کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

فصل اوّل

(۱) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاعفَاءُ لِلّحِيَةِ الحَدِيْث رَوَاهُ اَبُودَاؤدَ وعَزاهُ فِيْ رِسَالَةِ حُكْمُ اللّحيَةِ فِيْ الْاِسْلاَمِ لِلّشَيْخ مُحَمَّدِ الحَامِدِ الشَّامِيْ اِلٰى مُسْلِمٍ وَاَحْمَدَ وَالتِرمِذِىْ وَابْنِ مَاجَةَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں۔ جن میں مونچھوں کا کٹوانا اور ڈاڑھی کا بڑھانا ذکر فرمایا ہے۔

ف: بذل المجہود میں لکھا ہے کہ فطرت کے معنی سنن انبیاء ہیں یعنی یہ دس چیزیں جن میں مونچھوں کا کٹوانا اور ڈاڑھی کا بڑھانا بھی ہے جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں سے ہیں جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے (یہ اشارہ ہے قرآن پاک کی آیۃ شریفہ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هُدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقتَدِه کی طرف) یہ آیت شریفہ ساتویں پارہ کی ہے۔

جس میں اوپر سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے گرامی ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے کہ یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان ہی کے طریقہ پر چلیئے۔ (بیان القرآن)

بذل میں لکھا ہے کہ فطرت کے یہ معنی اکثر علماء سے نقل کیے گئے ہیں۔ اور بعض نے فطرت کے معنی سنتِ ابراہیمی بیان کیے ہیں۔ یعنی حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور بعض علماء نے فطرت کے معنی یہ کیے ہیں کہ طبائع سلیمہ ان کو طبعاً قبول کرتی ہیں۔ یعنی جو طبیعتیں ٹیڑھی نہ ہوں ان کو یہ سب چیزیں پسند ہیں۔ اور مراد فطرت سے دین ہے جس کی طرف قرآن پاک کی دوسری آیت فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے اوّل انسان کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اور یہ دس چیزیں بھی دین کے توابع میں سے ہیں۔

بذل کے اس قول میں جس آیۃ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ قرآن پاک کی دوسری آیت ہے جو اکیسویں پارہ میں ہے۔

”فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لاَتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لاَيَعْلَمُوْنَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہیے۔ پس سیدھا دین یہی ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (بیان القرآن)

شیطا مردود نے جب وہ رندۂ درگاہ ہوا تھا تو کہا تھا۔

"وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا"

"جس کا ترجمہ یہ ہے اور میں ان کو گمراہ کروں گا، اور ان کو ہوسیں دلاؤں گا اور میں ان کو تعلیم دوں گا۔ جس سے چار پاؤں کے کانوں کو تراشا کریں گے اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنادے گا وہ صریح نقصان میں واقع ہوگا۔" (بیان القرآن)

حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے فوائد میں تحریر فرمایا ہے کہ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ میں ڈاڑھی منڈانا بھی داخل ہے۔ اور بھی متعدد روایات میں ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم ہے۔ رسالہ حکم اللحیہ فی الاسلام میں صحیح ابن حبان کے حوالہ سے بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

(۲) قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمْ مِنْ فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ اَخْذُ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللُّحٰى فَاِنَّ الْمَجُوْسَ تُعْفِىْ شَوَارِبَهَا وَتُحْفِى لُحَافَخَالِفُوْهُمْ خُذُوْا شَوَارِبَكُمْ وَاعْفُوْا لُحَاكُمْ.

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا اسلام کی فطرت سے مونچھوں کا لینا (کٹوانا) ہے، اور ڈاڑھی کا بڑھانا ہے۔ اس لیے کہ مجوسی لوگ اپنی مونچھوں کو بڑھاتے ہیں اور ڈاڑھی کو کٹواتے ہیں۔ لہٰذا ان کی مخالفت کرو، مونچھوں کو کٹوایا کرو اور ڈاڑھی کو بڑھایا کرو۔"

ف: اس حدیثِ پاک میں حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ڈاڑھی رکھنے کو اسلام کی فطرت (خصلت و مقتضی) قرار دیا ہے۔ اور ڈاڑھی کٹانے کو مجوس کا شعار فرمایا ہے۔ نیز مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ، مشہور حدیث ہے۔ یعنی جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان ہی میں شمار ہوتا ہے۔ اسی بناء پر حضور پاک ﷺ نے حدیثِ بالا میں مخالفتِ مجوس کا حکم دیا ہے۔

پس اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ ڈاڑھی رکھنا ایک شرعی حکم ہے۔ اور اس میں تمام انبیاء

علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موافقت ہے جیسا کہ حدیث نمبر ایک میں گذرا، لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عرب میں چونکہ ڈاڑھی رکھنے کا دستور تھا اس لیے آپ نے عادت کے طور پر اس کا حکم فرمایا ہے، یہ خیال بالکل غلط اور بے اصل ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات پر عمل اور وعیدات سے بچنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔ ڈاڑھیوں کو بڑھایا کرو۔ اور مونچھوں کے کٹوانے میں مبالغہ کرو۔ اور بھی متعدد احادیث میں یہ مضمون کثرت سے نقل کیا گیا ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو ڈاڑھی کو بڑھایا کرو۔ اور مونچھوں کے کٹوانے میں مبالغہ کیا کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤ، مونچھوں کو کٹواؤ، اور اس میں یہود، اور نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کرو۔

افسوس ہے کہ ہمارے اس زمانے میں نصاریٰ ہی کے اتباع اور ان کی مشابہت اختیار کرنے کے لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس مبارک سنت کو ختم کیا جارہا ہے اس ناکارہ کو خوب یاد ہے کہ میرے بچپن میں ہندوؤں میں بھی جو بڑے لوگ ہوتے تھے وہ ڈاڑھی رکھا کرتے تھے۔

مصنّف ابن ابی شیبہ میں روایت نقل کی ہے کہ ایک مجوسی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جس نے ڈاڑھی منڈا رکھی تھی، اور مونچھیں بڑھا رکھی تھی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے فرمایا کہ یہ کیا بنا رکھا ہے۔ اس نے کہا یہ ہمارا دین ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے دین میں یہ ہے کہ مونچھوں کو کٹوا دیں اور ڈاڑھی کو بڑھائیں (حکم اللحیہ فی الاسلام) ابنِ عساکر وغیرہ نے حضرت حسن سے مرسلاً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ دس خصلتیں ایسی ہیں جو قومِ لوط میں تھیں جن کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے۔ ان دس چیزوں میں ڈاڑھی کا کٹوانا اور مونچھوں کا بڑھانا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ حارث بن ابی اسامہ نے یحییٰ بن کثیر سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ ایک عجمی (کافر) مسجد میں آیا۔ جس نے ڈاڑھی منڈا رکھی تھی اور مونچھیں بڑھا رکھی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کرنے پر تجھے کس چیز نے اُبھارا تو اس نے کہا کہ میرے

رب (بادشاہ) نے یہ حکم دیا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ڈاڑھی کو بڑھاؤں اور مونچھوں کو کٹواؤں، ایک دوسری روایت میں زید بن حبیب سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ڈاڑھی منڈائے ہوئے دو شخصوں کی طرف جو شاہ کسریٰ کی طرف سے قاصد بن کر آئے تھے ان کی طرف نگاہ فرمانا بھی گوارہ نہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ تمھیں ہلاکت ہو، یہ حلیہ بنانے کو کس نے کہا۔ انھوں نے کہا ہمارے رب نے (شاہ کسریٰ نے) حکم دیا ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا لیکن مجھے میرے رب نے ڈاڑھی کے بڑھانے اور مونچھوں کے کٹوانے کا حکم دیا ہے۔ (حکم اللحیہ) یہ قصّہ آگے مفصل آرہا ہے۔ مرنے کے بعد قبر میں سب سے پہلے سیّد الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت ہوگی۔ کس قدر حسرت اور مایوسی کا وقت ہوگا اگر خدانخواستہ اس ذاتِ اقدس نے جس سے سفارشوں کی اُمیدیں ہیں پہلے ہی وہلہ میں ایسے خلافِ سنت چہرے اور صورت کو دیکھ کر منہ پھیر لیا؟

(۳) عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْۃِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ قَالَ مَنْ لَمْ یَأْخُذْ شَارِبَہٗ فَلَیْسَ مِنَّا اَخْرَجَہٗ اَحْمَدُ وَالتِرمِذِیْ وَالنَّسَائِیْ وَالضِیَاءُ.

(حکم اللحیۃ فی الاسلام)

ترجمہ: زید بن ارقمؓ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ف: کس قدر سخت وعید ہے لمبی لمبی مونچھوں والے اپنے آپ کو شریف سمجھیں اور سرکاری کاغذات میں اپنے کو مسلمان بھی لکھوادیں۔ مگر سیّد الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ان لوگوں کو اپنی جماعت میں شمار کرنے سے انکار فرمارہے ہیں۔ حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو اپنی مونچھوں کو نہ کاٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

طبع سلیم بھی مونچھوں کے بڑھانے سے کراہت کرتی ہے، پانی، چائے وغیرہ پینے کی جتنی بھی چیزیں منہ میں جائیں گی وہ مونچھوں کے دھووَن کے ساتھ جائیں گی۔ اگر کوئی شخص مونچھوں کو دھوکر پیالی میں رکھ لے اور اس کو پی لے تو کس قدر گھن آوے گی۔ لیکن پانی اور ہر پینے کی چیز کا ہر گھونٹ اس دھووَن کے ساتھ اندر جارہا ہے مگر ذرا بھی گھن نہیں آتی۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں عقیل بن مدرک سلمی سے نقل کیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے کہہ دو کہ وہ میرے دشمنوں کا کھانا (یعنی جوان کے ساتھ مخصوص ہو جیسے نصاریٰ کا کھانا سؤر) نہ کھاویں۔ اور میرے دشمنوں کا پانی نہ پئیں (جیسے شراب) اور میرے دشمنوں کی شکل نہ بنائیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ بھی میرے دشمن ہوں گے جیسا کہ وہ لوگ حقیقی میرے دشمن ہیں۔ (دلائل الاثر)

پہلے کئی روایتوں میں گذر چکا کہ ڈاڑھی کا منڈانا عاجم کا یعنی مشرکین کا شعار ہے جس کی مخالفت کا حکم کئی حدیثوں میں گزر چکا ہے۔ یہاں ایک امر نہایت اہم اور قابل تنبیہ یہ ہے کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ جو ڈاڑھی منڈانے کو تو معیوب سمجھتے ہیں اور اس سے بچتے بھی ہیں۔ لیکن ڈاڑھی کے کم کرنے اور کتروانے کو معیوب نہیں سمجھتے حالانکہ شریعتِ مطہرہ میں جس طرح ڈاڑھی رکھنے کا حکم ہے۔ اسی طرح اس کی ایک مقدار بھی متعین ہے۔

چنانچہ اس سے کم کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے اور وہ مقدار ایک قبضہ (مٹھی) ہے اس سے کم رکھنا بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے گو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر ایک قبضہ پر بڑھ جائے تو اس کو کم کرنا چاہیے یا نہیں۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ اپنے رسالہ ڈاڑھی کے فلسفہ میں جو ایک صاحب کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ڈاڑھی کے طول اور عرض میں سے کترا کرتے تھے، اس لیے اس کی حد معلوم کرنی ضروری سمجھی گئی۔ چونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے اقوال وافعال کا مشاہدہ کرنے والے ہیں۔

اس لیے ان کے عمل کو اس بارے میں امام بخاری نے ترازو بنایا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بڑے فدائی ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنتوں کی پیروی میں نہایت زیادہ پیش پیش رہنے والے ہیں۔ ان کے عمل کو بطور معیار پیش کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

”کَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اِذَا حَجَّ اَوِاعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰی لِحْیَتِہٖ فَمَا فَضَلَ اَخَذَہٗ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لے کر ایک مشت

سے زائد کو کترواد یتے تھے۔

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عرض وطول میں ڈاڑھی کا کترنا اس مقدار اور کیفیت سے ہوتا تھا۔ علاوہ ابن عمرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ بھی ایسا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر شرح بخاری میں طبری سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک جماعت کہتی ہے کہ ڈاڑھی جب ایک مشت سے زائد ہوجائے تو زائد کو کتر دیا جائے۔

پھر طبری نے اپنی سند سے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اور حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ اِسی عمل اور طریق کو فقہا حنفیہ وشافعیہ وغیرہ نے کتبِ فقہ وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ابوداوٗد شریف میں ہے۔

”عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ کُنَّا نُعْفِیُ السِّبَالَ اِلَّا فِیْ حَجَّةٍ اَوْ عُمْرَةٍ (ابوداوٗد)

ترجمہ: ”ہم لوگ ڈاڑھی کے اگلے اور لٹکنے والے حصّہ کو بڑھا ہوا رکھتے تھے مگر حج اور عمرہ سے فارغ ہوکر کترواد یا کرتے تھے۔ جس کی توضیح حضرت ابن عمرؓ کے عمل سے معلوم ہوگئی ہے جو بخاری شریف سے ابھی اوپر مذکور ہوا۔“

یہ حدیث صاف طور سے بتلا رہی ہے کہ عام صحابہ کرام تمام سال میں ڈاڑھی کا اگلا اور لانبا حصہ کترواتے نہیں تھے ہاں جب حج اور عمرہ کرتے تھے تو ایک مشت سے زائد حصہ کو کترواد یتے تھے۔ نیز جناب رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کم از کم ایک مشت بلکہ اس سے زائد اتنی ثابت ہوتی ہے جس میں تخلیل (خلال) فرماتے تھے۔ کنگھی سے درست فرمایا کرتے تھے۔ وہ اتنی بڑی گنجان تھی کہ اس نے سینۂ مبارک کے اوپر کے حصہ کو طول وعرض کو بھر لیا تھا۔

حضرت عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن عمر، حضرت عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مشت یا اس سے زائد ڈاڑھی رکھتے تھے اور رکھواتے تھے۔ تمام دوسرے صحابۂ کرام کا بھی یہی عمل ہونا التزاماً ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ڈاڑھی لمبی رکھتے تھے۔ بجز حج عمرہ کے کترواتے نہیں تھے۔ جناب رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام اور امّت کو ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے۔ اور اس عمل کو تمام مسلمانوں کے لیے مابہ التمیز قرار دیا ہے کہ یہ ان کا مخصوص شعار اور یونیفارم ہوگا، نہ منڈوانا جائز ہو نہ خشخشی رکھنا، نہ چھوٹی رکھنا۔ (ملتقط از ڈاڑھی کا فلسفہ)

حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیّب صاحبؒ نے اپنے رسالہ ''ڈاڑھی کی شرعی حیثیت'' میں اس مضمون کو تفصیل سے تحریر فرمایا ہے، اور مقدار قبضہ کو قرآن پاک احادیث اور آثار صحابہ سے ثابت فرمایا ہے۔ اس میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ:

''وَاَمَّا الْاَخذُ مِنهَا وَهِیَ دُوْنَ الْقَبْضَةِ کَمَا یَفعَلُهٗ بَعْضُ الْمَغارِبَةِ مُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ یُبِحهُ اَحَدٌ.

ترجمہ: ''یعنی ڈاڑھی کا کٹانا جبکہ وہ مقدار قبضہ سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی لوگ اور مخنث قسم کے انسان یہ حرکت کرتے ہیں۔ اس کو کسی نے بھی مباح قرار نہیں دیا۔ یعنی تمام فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ ڈاڑھی کا مقدار قبضہ سے کم کرنا جائز نہیں۔ اور یہ اجماع خود ایک مستقل دلیل ہے اس کے وجوب کی۔ حضرت امام محمدؒ اپنی کتاب الآثار میں تحریر فرماتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ قَالَ اَخبَرَنَا اَبُوْ حَنِیفَةَ عَنِ الْهَیثَمِ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ اَنَّهٗ کَانَ یُقبِضُ عَلٰی لَحیَتِهٖ ثُمَّ یَقُصُّ مَا تَحتَ القَبْضَةِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیفَه.

ترجمہ: حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم سے روایت کیا امام ابوحنیفہؒ نے اور وہ روایت کرتے ہیں ہثیم سے اور وہ ابن عمرؓ سے کہ وہ یعنی ابن عمرؓ اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لے کر مٹھی بھر سے زائد کو یعنی جو مٹھی سے نیچے لٹکی ہوئی باقی رہ جاتی ہے کتر دیتے تھے۔ امام محمد نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہؒ کا۔

اوجز المسالک میں اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ وغیرہ دوسرے علماء کے مذاہب کو مدلّل اور مفصل بیان کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک مشت سے زائد ڈاڑھی ہی حضرات شافعیہ کا راجح اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ اس کو علیٰ حالہ باقی رکھا جائے۔ اور یہی قول حنابلہ کا ہے، اور مالکیہ کا مذہب مختار یہ ہے کہ جو ڈاڑھی حد سے زیادہ بڑھ جائے اس کو کم کیا جائے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ایک مشت سے زائد رکھی نہ جائے، اور حضرات حنفیہ کے یہاں مستحب یہ ہے کہ ایک مشت سے جتنی زائد ہے اس کو کاٹ دینا چاہیے۔

فصل ثانی

(۱) حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ اصلاح الرسوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ منجملہ ان رسوم کے ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا اس طرح کہ ایک مشت سے کم رہ جائے یا مونچھیں بڑھانا جو اس زمانہ میں

اکثر نوجوانوں کے خیال میں خوش وضعی سمجھی جاتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ بڑھاؤ ڈاڑھی کو، اور کترواؤ مونچھوں کو، روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے صیغۂ امر سے دونوں حکم فرمائے اور امر حقیقتاً وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں حکم واجب ہیں۔ اور واجب کا ترک کرنا حرام ہے۔ پس ڈاڑھی کٹانا، اور مونچھیں بڑھانا دونوں حرام فعل ہیں، اس سے زیادہ دوسری میں مذکور ہے، ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو شخص اپنی لبیں نہ لے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ روایت کیا، اس کو احمد وترمذی اور نسائی نے۔ جب اس کا گناہ ہونا ثابت ہوگیا تو جو لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور ڈاڑھی بڑھانے کو عیب جانتے ہیں۔ بلکہ ڈاڑھی والوں پر ہنستے ہیں اور اس کی ہجو کرتے ہیں۔ ان سب مجموعہ امور سے ایمان کا سالم رہنا از بس دشوار ہے۔ ان لوگوں کو واجب ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کریں اور ایمان اور نکاح کی تجدید کریں اور اپنی صورت موافق حکم اللہ اور رسول کے بنادیں اور عقل بھی کہتی ہے کہ ڈاڑھی مردوں کے لیے ایسی ہے جیسے عورتوں کے لیے سر کے بال کہ دونوں باعثِ زینت ہیں۔

جب عورتوں کا سر منڈانا بدصورتی میں داخل ہے تو مردوں کا ڈاڑھی منڈانا خوبصورتی کیسے ہے۔ کچھ بھی نہیں، رواج نے بصیرت پر پردہ ڈال دیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ترک بھی منڈاتے ہیں ہم ان کی تقلید کرتے ہیں اس کا وہی جواب ہے کہ عام آدمیوں کا فعل جو خلافِ شرع ہو حجت نہیں، جو منڈاتا ہے بُرا کرتا ہے چاہے کسی ملک کا رہنے والا ہو۔

بعض لوگ اپنے کو کم عمر ظاہر کرنے کو منڈاتے ہیں کہ بڑی عمر میں تحصیل کمال کرنا موجبِ عار ہے۔ یہ بھی ایک لغو خیال ہے، عمر تو ایک خداوندی عطیہ ہے، جتنی زیادہ نعمت ہے اس کا چھپانا بھی ایک قسم کا کفرانِ نعمت ہے، اور بڑی عمر میں تو کمال حاصل کرنا زیادہ کمال کی بات ہے کہ بڑا ہی شوقین ہے جو اس عمر میں بھی کمال کی دھن میں لگا رہتا ہے۔ اور چند بے عقلوں کے نزدیک یہ موجب عار ہے تو بہت سے کافروں کے نزدیک مسلمان ہونا موجب عار ہے تو نعوذ باللہ کیا اسلام کو بھی جواب دے بیٹھیں گے؟ جیسے کفار کے عار سمجھنے سے مذہبِ اسلام کو ترک نہیں کرتے فساق کے عار سمجھنے سے وضع اسلام کو کیوں عار سمجھا جاوے یہ سب شیطانی خیالات ہیں۔ سخت افسوس یہ ہے کہ بعض طالب علم عربی پڑھنے والے اس بلا میں مبتلا ہیں ان کی شان میں بجز اس کے کیا کہا

جائے کہ:

''چار پائے برو کتابے چند''

ان لوگوں پر سب سے زیادہ وبال پڑتا ہے۔ اوّل تو اوروں سے زیادہ واقف پھر اوروں کو نصیحت کریں، مسئلے بتائیں خود بدعمل ہوں۔ عالم بے عمل کے حق میں کیا کیا وعیدیں قرآن اور حدیث میں وارد ہیں۔ پھر ان کو دیکھ کر اور جاہل گمراہ ہوتے ہیں ان کی گمراہی کا وبال ان ہی کے برابر ان پر پڑتا ہے۔ جیسا اوپر بیان ہوا کہ جو شخص باعث ہوتا ہے اس گناہ کا وہ بھی شریک اس کے وبال کا ہوتا ہے۔

میرے نزدیک مدرسین اور مہتممین مدارس اسلامیہ پر واجب ہے کہ جو طالب ایسی حرکت کرے یا کوئی امر خلافِ وضع شرعی کرے۔ اگر توبہ کرلے فبہا ورنہ مدرسہ سے خارج کردینا چاہیے ایسے شخص کو مقتدائے قوم بنانا تمام مخلوق کو تباہ کرنا ہے:

بے ادب را علم و فن آموختن

دادن تیغ است دست راہزن

اور یاد رہے کہ نائی کو بھی جائز نہیں کہ کسی کے کہنے سے ایسا خط بنادے جو شرعاً ممنوع ہو خواہ ڈاڑھی کا یا سر کا کیونکہ گناہ کی اعانت بھی گناہ ہے۔ اس کو چاہیے کہ عذر و انکار کردے۔

(از رسالہ اصلاح الرسوم)

بعض سعادت مند نائی ایسے بھی ہوتے ہیں جو باوجود ضرورت مند ہونے کے ڈاڑھی مونڈنے سے بڑی صفائی سے انکار کردیتے ہیں۔ اگرچہ ایسے بہت کم ہوتے ہیں۔ اس ناکارہ کو اپنے جاننے والوں میں سے کئی سے سابقہ پڑا کہ انھوں نے بڑی پریشانیاں اُٹھائیں۔ مگر ڈاڑھی نہ مونڈنے کا جو عہد کیا تھا اس کو خوب نبھایا۔ ابھی چند سال کا قصّہ ہے کہ ایک صاحب پٹنہ بہار کے رہنے والے حاجی پیدل کے نام سے حج کے لیے جارہے تھے۔ جو ہر پانچ قدم پر دو رکعت نفل پڑھتے تھے ان کے بہت سے اعزّہ جو اونچے عہدوں پر تھے یہ ان کے سفر کی خبر رکھتے تھے۔

اور جب کسی ایسی جگہ پر جہاں ریل کی سہولت ہوجانے کا حال معلوم ہوتا تو وہ ریل سے ان سے ملنے آیا کرتے تھے، وہ حاجی صاحب جب سہارنپور پہنچے تو میرے مخلص دوست اور حضرت اقدس رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کے مرید راؤ یعقوب علی خاں کے یہاں قیام ہوا، غالباً آگرہ کے ایک ڈپٹی صاحب ان سے ملاقات کے لیے راؤ صاحب کے مکان پر پہنچے اور حجامت کے لیے نائی کو بلایا، اس نے بہت بہتر حجامت بنائی جس سے وہ صاحب بہت خوش ہوئے، لیکن جب ڈاڑھی

منڈانے کا وقت آیا تب اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضور یہ کام میں نے عمر بھر نہیں کیا، اس پر وہ مہمان بہت خوش ہوئے اور یاد پڑتا ہے کہ اس نائی کو کچھ انعام بھی دیا۔

(۲) حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہٗ اپنے رسالہ ڈاڑھی کے فلسفہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر نظامِ سلطنت وسیاست میں مختلف شعبوں کے لیے کوئی نہ کوئی یونیفارم مقرر ہے، پولیس کے یونیفارم اور ہیں، فوج کا اور ہے، سوار کا اور ہے، پیادہ کا اور ہے برّی فوج کا اور ہے بحری فوج کا اور ہے، ڈاک خانہ کا اور ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر اس پر مزید سختی اور تاکید یہاں تک ہے کہ ڈیوٹی ادا کرتے وقت اگر یونیفارم میں کوئی ملازم نہیں پایا جاتا تو مستوجب سزا شمار کیا جاتا ہے، اور جس طرح یہ امر ایک نظام سلطنت اور حکومت میں ضروری خیال کیا جاتا ہے، اسی طرح اقوام وملل میں بھی ہمیشہ اس کا خیال رکھا جاتا ہے اگر آپ تفحص کریں تو انگلینڈ، فرانس، جرمنی وغیرہ کو پائیں گے کہ وہ اپنے نشانات جھنڈے یونیفارم علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں تاکہ واقف کار شخص ہر ایک کے سپاہی کو دوسرے سے تمیز آ سکے، اور اس سے میدان جنگ میں ملکی وسیاسی مقامات میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ ہر قوم اور ملّت اپنے اپنے یونیفارم اور نشانات کو محفوظ رکھنا از حد ضروری سمجھتی ہے، بلکہ بسا اوقات اس میں خلل پڑنے سے سخت سے سخت وقائع پیش آجاتے ہیں۔ کسی حکومت کے جھنڈے کو گرا دیجیے، کوئی توہین کردیجیے، دیکھیے کس طرح جنگ کی تیاری ہو جاتی ہے۔

الغرض یہ طریقۂ امتیاز شعبۂ ہائے مختلفہ اور اقوام وحکومات اور ملل کا ہمیشہ سے اور تمام اقوام میں اطرافِ عالم میں چلا آتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو کوئی محکمہ اور کوئی قوم اور کوئی حکومت دوسرے سے تمیز نہ کر سکے۔ ہم کو کس طرح سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ فوجی ہے یا ملکی، یہ پولیس ہے یا ڈاکیہ، ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس کا لحاظ ضروری سمجھا گیا ہے، اور سمجھا جاتا ہے۔

جو قوم اور جو ملک اپنے یونیفارم اور نشان کی محافظ نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں جذب ہوگئیں۔ حتیٰ کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔ سکھّوں نے اپنی امتیازی وردی قائم کی سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو محفوظ رکھا۔ آج ان کی قوم امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے۔

انگریز سولہویں صدی عیسوی کے آخر میں آیا، تقریباً ڈھائی سو برس گزر گئے، نہایت سرد ملک کا رہنے والا ہے، مگر اس نے اپنا یونیفارم کوٹ پتلون، ہیٹ، ٹائی نکٹائی اس گرم ملک میں بھی نہیں چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو ۳۵ کروڑ افراد، والا ملک اپنے میں ہضم نہ کر سکا اس کی قوم اور

ملّت علیحدہ ملّت ہے۔

مسلمان اس ملک میں آئے اور تقریباً ایک ہزار برس سے زائد ہوتا ہے، جب سے آئے ہیں، اگر وہ اپنے خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے تو آج اسی طرح ہندو قوم نظر آتے جیسے کہ مسلمانوں سے پہلے آنے والی قومیں ہضم ہوکر اپنا نام ونشان مٹا گئیں آج بجز تاریخی صفحات کے ان کا نام ونشان کرۂ ارض پر نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں نے نہ صرف یہی کیا کہ اپنا یونیفارم محفوظ رکھا، بلکہ مذہب، اسماء رجال ونساء تہذیب وکلچر، رسم ورواج زبان وغیرہ جملہ اشیاء کو محفوظ رکھا، اس لیے ان کی ایک مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی اور جب تک اس کی مراعات رکھیں گے رہے گی، اور جب چھوڑ دیں گے مٹ جائیں گے۔

مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہے کہ قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہوسکتا ہے اور باقی بھی جب ہی رہ سکتا ہے جبکہ وہ اپنے لیے خصوصیات وضع قطع میں تہذیب وکلچر میں، بود وباش میں زبان اور عمل میں اختیار کرے۔

اس لیے ضروری تھا کہ مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد اخلاق واعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیوی اور تمام اقوامِ عالم سے بالاتر تھا اور ہے، خصوصیات اور یونیفارم مقرر کرے، اوران کے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہو، ان کے لیے جان لڑادے اس کی وہ خصوصیات اور یونیفارم خداوندی تابعداروں کے یونیفارم ہوں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کے سرکشوں اور دشمنوں سے تمیز کرسکے۔

(ان ہی کو شعارِ اسلام کہا جاتا ہے) اوران کی بناء پر باغیان اور بندگانِ بارگاہِ الوہیت میں تمیز ہوا کرے۔ چنانچہ یہی راز ''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ'' کا ہے۔ جس پر بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصّہ آجاتا ہے۔ اسی بناء پر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تابعداروں کے لیے خاص خاص یونیفارم تجویز فرمائے۔ کہیں فرمایا جاتا ہے: فَرْقُ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ.

کہیں اہلِ کتاب سے مانگ نکالنے میں مخالفت اختیار کی گئی۔ اسی بناء پر ازار اور پاجامہ میں ٹخنہ کھولنے کا حکم کیا گیا کہ اہلِ تکبّر سے تمیز ہوجائے۔ اس کے بعد متعدد احادیث جو اُوپر گزر چکی ہیں لکھنے کے بعد حضرتؒ نے تحریر فرمایا۔'' خلاصہ یہ نکلا کہ یہ خاص یونیفارم اور شعار ہے جو کہ مقربان بارگاہِ اُلوہیت کا ہمیشہ سے یونیفارم رہا ہے۔ اور پھر دوسری قومیں اس کے خلاف کو اپنا

یونیفارم بنائے ہوئے ہیں، جو کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کو توڑنے والی اور اس سے بغاوت کرنے والی ہیں۔

علاوہ ازیں ایک محمدی کو حسب اقتضاء فطرت وعقل لازم ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آقا کا سا رنگ ڈھنگ، چال چلن، صورت سیرت، فیشن کلچر وغیرہ بنائے اور اپنے محبوب آقا کے دشمنوں کے فیشن اور کلچر سے پرہیز کرے، ہمیشہ عقل وفطرت کا تقاضہ یہی رہا ہے۔ اور یہی ہر قوم اور ہر ملک میں پایا جاتا ہے۔

آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور مسلمانوں کا دشمن کون ہے؟ واقعات کو دیکھئے اس بناء پر بھی جوان کے خصوصی شعار، اور فیشن ہیں ہم کو ان سے انتہائی متنفر ہونا چاہیے خواہ، وہ کرزن فیشن ہو یا گلیڈ اسٹون فیشن ہو۔ خواہ وہ فرنچ فیشن ہو یا امریکن، خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتا ہو یا بدن سے خواہ وہ زبان سے متعلق ہو یا تہذیب وعادات سے، ہر جگہ اور ہر ملک میں یہی امر طبعی اور فطرت شمار کیا گیا ہے کہ دوست کی سب چیزیں پیاری ہوتی ہیں، اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور اوپری، بالخصوص جو چیزیں دشمن کا خصوصی شعار ہو جائیں۔

اسی لیے ہماری جدوجہد یہ ہونی چاہیے کہ ہم غلامانِ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے فدائی بنیں، نہ کہ غلامانِ کرزن وہارڈنگ، فرانس وامریکہ وغیرہ، باقی رہا امتحان مقابلہ یا ملازمتیں یا آفس کے ملازموں کے طعنے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے سکھ امتحانِ مقابلہ بھی دیتے ہیں، چھوٹے اور بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں، اپنی وردی پر مضبوطی سے قائم ہیں، کوئی ان کو ٹیڑھی اور بینکی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ باوجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لیے ہوئے غرار ہے ہیں۔ (ماخوذ از ڈاڑھی کا فلسفہ)

مجھ سے ۱۹۴۷ء میں بہت سے نوجوانوں نے خود کہا کہ ہم ڈاڑھی منڈاتے تھے مگر اس قتل عام کے زمانہ میں اس ڈر سے رکھ لی کہ نہ معلوم کہاں مارے جاویں اور ہمیں لوگ ہندو سمجھ کر جلا دیں، یہ خطرہ تو ہر وقت موجود ہے، نہ موت کا وقت معلوم ہے نہ جگہ۔

(۳) مولانا سعید احمد پالن پوری مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنے رسالہ ''ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں،، میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی منڈانے کی حرمت پر ساری امت کا اجماع ہے ایک فرد بھی امت میں اس کے جواز کا قائل نہیں ہے۔ اس کے بعد علماء کی چند تصریحات نقل کی ہیں۔ جس میں صاحب منہل شارح ابوداؤد کی یہ عبارت نقل کی ہے۔

"فَلِذٰلِكَ كَانَ حَلْقُ اللِّحيَةِ مُحَرَّمًا عِندَ ائمةِ المُسلِمِينَ المُجتَهِدِينَ ابی حَنِيفَة وَمَالِكٍ وَالشَّافِعِیْ وَاَحمَدَ وَغيرِهُم.

(اسی وجہ سے ڈاڑھی کا منڈانا سب اماموں کے نزدیک حرام ہے، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہم) اس کے بعد حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کا قول نقل کیا ہے۔ "قَولُهٗ لَم يُبحِهُ اَحَدٌ نص فی الاجماع" یعنی صاحبِ درمختار کا قول "لَم يُبحِهُ اَحَدٌ"۔ منڈانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے۔ اس کے بعد فقہائے امّت کے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

(۴) حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے اپنے رسالہ "ڈاڑھی کی قدرو قیمت" میں مذاہبِ اربعہ کے فقہاء کی عبارتیں نقل کی ہیں اس میں شافعیہ کی کتاب العباب سے نقل کیا ہے۔

"قَالَ اِبنُ الرِّفعَةِ اِنَّ الشَافِعِیْ نَصَّ فِیْ الْاُمْ بالتَحرِيم".

"امام ابن الرفعہ کہتے ہیں کہ کتاب الام میں حضرت امام شافعیؒ نے خود اس کے (یعنی حلق لحیہ کے) حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

اس کے بعد کتاب الابداع سے مالکیہ کا مذہب نقل کیا ہے۔ جس کی عبارت کتاب اللحیہ فی الاسلام میں نقل کی ہے۔

"وَقَدِ اتَّفَقَتِ المَذَاهِبُ الْاَربَعَةُ علٰی وُجُوبِ تَوفِيرِ اللِّحيَةِ وَحُرمَةِ حَلقِهَا، وَمَذهَبُ السَّادَةِ المَالِكِيَّةِ حُرمَةُ حَلقِ اللِّحيَةِ وَكَذَا قَصُّهَا اِذَا كَانَ يَحصَلُ بِهَا المُثلَةُ.

"بلاشبہ مذاہب اربعہ متفق ہیں اس بات پر کہ ڈاڑھی بڑھانا واجب ہے اور اس کا منڈانا حرام ہے اور اسی طرح اس کا کتروانا بھی حرام ہے جبکہ اس سے صورت بگڑے۔"

اور فقہ حنبلی کی کتاب شرح المنتہی اور شرح منظومۃ الآداب میں لکھا ہے۔

"اَلمُعتَمَدُ حُرمَةُ حَلقِهَا وَمِنهُم مَنْ صَرَحَ بِالحُرمَةِ وَلَم يَحكِ خِلَافًا كَصَاحِبِ الاِنصَافِ.

معتبر قول یہی ہے کہ ڈاڑھی منڈانا حرام ہے، اور بعض علماء مثلاً مؤلف انصاف نے حرمت کی تصریح کی ہے اور اس حکم میں کسی کا بھی خلاف نقل نہیں کیا۔

اسی طرح اور دوسرے حضرات نے بھی ڈاڑھی کے وجوب پر ائمہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن القاسم اپنے رسالہ میں جو اسی موضوع پر ہے تحریر فرماتے ہیں۔

قَالَ شَیۡخُ الۡاِسۡلَامِ ابۡنُ تَیۡمِیَّۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَحۡرُمُ حَلۡقُ اللِّحۡیَۃِ وَقَالَ الۡقُرۡطُبِیُ لَایُجَوۡزُ حَلۡقُھَا وَلَا نَتۡفُھَا وَلَا قَصُّھَا وَحَکٰی اَبُوۡ مُحَمَّدِ بۡنُ حَزۡمٍ الۡاَجۡمَاعَ اَنَّ قَصَّ الشَّارِبِ وَاِعۡفَاءُ اللِحۡیَۃِ فَرۡضٌ وَاسۡتَدَلَّ بِحَدِیۡثِ ابۡنِ عُمَرؓ خَالِفُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ احفُوۡا الشَّوَارِبُ وَاعۡفُوۡا اللّٰحی وَبِحَدِیۡثِ زَیۡدِ بۡنِ اَرۡقَمَ الۡمَرۡفُوۡعُ مَنۡ لَمۡ یَأۡخُذۡ شَارِبَہٗ فَلَیۡسَ مِنَّا صَحَّحَہٗ التِرۡمِذِیۡ.

”شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے حلق لحیہ کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے، اور علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی کا منڈانا اور اس کا نوچنا اور اس کا کترنا سب ناجائز ہے، اس طرح امام ابومحمد ابن حزم ظاہری نے اس پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ مونچھوں کا تراشنا اور ڈاڑھی کا بڑھانا فرض عین ہے اور اس کی دلیل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پیش فرمائی ہے، کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو مونچھیں تراشو اور ڈاڑھی بڑھاؤ اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں وہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اپنی مونچھیں نہ تراشے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

اس کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے یہود ونصاریٰ کی مشابہت کی مخالفت کی روایات نقل کرکے لکھا ہے کہ ان کی مخالفت شریعت میں مطلوب ہے، اور ظاہر میں مشابہت ان سے محبت اور دوستی پیدا کرتی ہے جیسا کہ باطنی محبت ظاہری مشابہت میں اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ امور تجربہ سے ظاہر ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ جو کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرے اور اسی پر مرجائے تو ان ہی کے ساتھ حشر ہوگا، تمہید شرح مؤطا میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی کا منڈانا حرام ہے اور مردوں میں سے ہیجڑے ہی اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور ابن ابی لیلیٰ قاضی مدینہ نے اس شخص کی شہادت رد فرمادی، جو ڈاڑھی نوچتا تھا۔ اس رسالہ میں بہت سی روایات اور آثار ڈاڑھی منڈانے کے ذکر کیے ہیں۔

کسریٰ کے قاصدوں کا قصہ مختصراً پہلے گزرچکا۔ مولانا میرٹھی نے اس کو مفصّل لکھا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں۔ ”کہ خسرو پرویز شاہ ایران کے پاس حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ پہنچا تو اس نے نامۂ مبارک دیکھتے ہی غصہ میں اس کو چاک کردیا۔ اور زبان سے کہا کہ ہماری رعایا کا ادنیٰ شخص ہمیں خط لکھتا ہے، اور اپنا نام ہمارے

نام سے پہلے لکھتا ہے۔ اس کے بعد خسرو (کسریٰ) نے باذان کو جو یمن میں اس کا گورنر تھا اور عرب کا تمام ملک اس کے زیرِ اقتدار سمجھا جاتا تھا یہ حکم بھیجا کہ اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کرکے ہمارے پاس بھیج دو۔

باذان نے ایک فوجی دستہ مامور کیا، جس کے افسر کا نام خرخسرو تھا، نیز حالات محمدیہ پر گہری نظر ڈالنے کے لیے ایک ملکی افسر بھی اس کے ساتھ کیا، جس کا نام بانویہ تھا۔ یہ دونوں افسر جس وقت بارگاہِ رسالت میں پیش کیے گئے تو رعبِ نبوّت کی وجہ سے ان کی رگ ہائے گردن تھرتھرا رہی تھی، یہ لوگ چونکہ آتش پرست پارسی تھے، اس لیے ان کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی اور موچھیں بڑھی ہوئی تھیں، اور اپنے بادشاہ کو رَب کہا کرتے تھے، ان کے چہرے پر نظر ڈال کر آپ کو تکلیف پہنچی اور پہلا سوال ان سے یہ کیا کہ ایسی صورت بنانے کو تم سے کس نے کہا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے رب کسریٰ نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مگر میرے رب نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤں اور مونچھیں کترواؤں، قصہ طویل ہے۔ مگر یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ غیر مسلم سفیروں کی بھی اس صورت اور شکل سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طبعی تکلیف ہوئی۔ اس قصہ کو مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ''حیاۃ الصحابہ'' میں مختلف سندوں سے ذکر کیا ہے۔

مسلمانوں کے سوچنے کی بات ہے کہ مرنے کے بعد سب سے پہلے قبر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا ہوگا۔ ایسے خلاف سنت چہرے کو دیکھ کر اس ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی تکلیف ہوگی، جس کی شفاعت پر ہم سب مسلمانوں کی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ اس کے بعد مولانا میرٹھی لکھتے ہیں کہ مرزا قتیل کا قصّہ آپ نے سنا ہوگا۔ ان کے صوفیانہ کلام سے متاثر ہوکر ایک ایرانی شخص ان کا معتقد ہوگیا۔ اور زیارت کے شوق میں وطن سے چلا، جس وقت ان کے پاس پہنچا تو مرزا ڈاڑھی کا صفایا کررہے تھے۔ اس نے تعجب سے دیکھا اور کہا آغا ریش می تراشی (جناب آپ ڈاڑھی منڈا رہے ہیں) مرزا نے جواب دیا، بلے موئے می تراشم ولے دل کسے نمی تراشم (ہاں بال تراش رہا ہوں کسی کا دل نہیں چھیل رہا ہوں)

گویا ''دل بدست آور کہ حجِ اکبر است'' کی طرف صوفیانہ اشارہ کیا کہ اپنے متعلق انسان جو چاہے کرے مگر مخلوق کا دل نہ دکھائے۔ ایرانی نے بے ساختہ جواب دیا ''آرے دل رسول می خراشی''، کسی کا دل دکھانا چہ معنی تم تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دل چھیل رہے ہو، یہ سن کر مرزا کو وجد آگیا اور بے ہوش ہوکر گر پڑے، ہوش آیا تو یہ شعر زبان پر تھا:

جزاک اللہ چشم باز کردی

مرا باجانِ جاں ہمراز کردی

پس اگر محبوبِ خدا کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کی ہمّت نہیں رکھتے تو خدا کے واسطے آپ ﷺ کا دل تو نہ دکھاؤ۔ مولانا نے جو شعر لکھا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے کہ تو نے میری آنکھ کھول دی اور مجھے جان جاں کے ساتھ ہمراز کردیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت اللہ جل شانہٗ کی اذیت ہے۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَنْ آذَانِیْ فَقَدْ اٰذَیٰ اللّٰہَ تَعَالٰی جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی جب غیر مسلموں کے ڈاڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچی تو جو لوگ امتی کہلاتے ہیں ان کے اس ناپاک فعل سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔

مولانا میرٹھی تحریر فرماتے ہیں کہ اب ڈاڑھی کی طبّی حیثیت بھی ملاحظہ فرمایئے، طبِ یونانی تو پہلے ہی طے کر چکی تھی کہ ڈاڑھی مرد کے لیے زینت اور گردن اور سینہ کے لیے بڑی محافظ ہے، مگر اب تو ڈاکٹر بھی اُلٹے پاؤں لوٹتے ہیں۔ چنانچہ ایک ڈاکٹر لکھتا ہے کہ ڈاڑھی پر بار بار اُسترا چلانے سے آنکھوں کی رگوں پر اثر پڑتا ہے اور ان کی بینائی کمزور ہوتی جاتی ہے، دوسرا ڈاکٹر لکھتا ہے کہ نیچی ڈاڑھی مضر صحت، جراثیم کو اپنے اندر اُلجھا کر حلق اور سینہ تک پہنچنے سے روک لیتی ہے اور ایک ڈاکٹر یہاں تک لکھتا ہے کہ اگر سات نسلوں تک مردوں میں ڈاڑھی منڈانے کی عادت قائم رہی تو آٹھویں نسل بے ڈاڑھی کے پیدا ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نسل میں مادہ کم ہوتے ہوتے آٹھویں نسل میں مفقود ہو جائے گا۔ یہ اس ڈاکٹر کی پیشین گوئی نہیں ہے جس کا تعلق نجومی سے ہے بلکہ یہ ایک طبعی اصول ہے، صاف لہجہ والا بچہ اگر بار بار کسی ہکلے کی نقل اُتارتا رہتا ہے تو چند ہی روز میں ہکلا بن جاتا ہے۔ اور پھر کتنی ہی کوشش کرے ایک بات بھی بغیر ہکلاہٹ کے نہیں کرسکتا۔ اس بحث میں سب سے زیادہ واضح تحریر امریکن ڈاکٹر چارلس ہومر کی ہے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا بلفظہٖ ترجمہ یہ ہے۔

''ایک مضمون نگار نے ڈاڑھی مونڈنے کے لیے برقی سوئیاں ایجاد کرنے کی مجھ سے فرمائش کی ہے۔ تا کہ وہ تمام وقت جو ڈاڑھی مونڈنے کی نذر ہوتا ہے بچ جائے۔ لیکن سمجھ میں نہیں

آتا، آخر ڈاڑھی کے نام سے لوگوں کو لرزہ کیوں چڑھتا ہے۔ لوگ جب اپنے سروں پر بال رکھتے ہیں تو پھر چہرے پر ان کے رکھنے میں کیا عیب ہے، کسی کے سر پر سے اگر کسی جگہ کے بال اُڑ جائیں تو اسے گنج کے اظہار سے شرم آیا کرتی ہے۔ لیکن یہ عجیب تماشا ہے کہ اپنے پورے چہرے کو خوشی سے گنجا کرلیتے ہیں۔ اور اپنے کو ڈاڑھی سے محروم کرتے ذرا نہیں شرماتے، جو کہ مرد ہونے کی سب سے زیادہ واضح علامت ہے، ڈاڑھی اور مونچھیں انسان کے چہرے کو مردانہ قوت، استحکام سیرت، کمالِ فردیت، اور علاماتِ امتیاز بخشتی ہیں، اور اس کی بقاء اور تحفظ بھی دلیری کی بناء پر ہوتا ہے، یہی تھوڑے سے بال ہیں جو مرد کو زنانہ صفات سے ممتاز بناتے ہیں۔ کیونکہ اس کے علاوہ وہ بدن کے تمام بالوں میں مرد، اور عورت دونوں مشترک ہیں عورتیں اپنے دلوں میں ڈاڑھی اور مونچھوں کی بڑی قدر رکھتی ہیں، اور باطن میں بے ریش مردوں کی زیادہ دلدادہ ہوتی ہیں۔ اور بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ڈاڑھی اور مونچھیں اچھی معلوم نہیں ہوتیں۔ لیکن اس کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ فیشن کی غلام اور لباس کی ماتحت ہوا کرتی ہیں، اور بدقسمتی سے آج کل ڈاڑھی اور مونچھیں فیشن کی بارگاہ سے مردود ہوچکی ہیں نتھنوں اور منہ کے سامنے تھوڑے سے بالوں کی موجودگی ایک اچھی چھلنی کا کام دیتی ہے۔ اور مضرت رساں خاک مٹّی اور بہت سے جراثیم ناک یا منہ میں نہیں جانے پاتے۔ لمبی اور گھنی ڈاڑھی گلے کو سردی کے اثرات سے بچائے رکھتی ہے۔

دیکھئے ڈاکٹر ہومر، ڈاڑھی منڈانے کو چہرے کا گنج اور فیشن کی غلامی کو زنانہ خصلت بتاتا ہے، اس کے نزدیک استقلال، شجاعت، حوصلہ، ہمّت تمام مردانہ خصائل، اور زینت کا مدار ڈاڑھی ہے وہ آپ کے کھانسی زکام اور نزلہ میں مبتلا رہنے کا سبب آپ کی اس عادت کو قرار دیتا ہے، اور پھر آگے لکھتا ہے کہ ڈاڑھی اور مونچھیں پھر دنیا میں واپس آرہی ہیں اور ان ہی کے ساتھ وہ فوقیت بھی واپس آئے گی جو قدرت نے مرد کو عورت پر دی ہے۔ کسی ڈاڑھی رکھنے والے مرد نے کبھی اپنی بیوی کو نہیں چھوڑا تھا۔ ڈاڑھی والا انسان اپنی ڈاڑھی کی ہمیشہ لاج رکھا کرتا ہے، اس میں ایک آن ہوتی ہے، جو مرد کی شان کو شایان ہے۔ آخر ایک پورے نوجوان مرد کی یہ تمنا کیوں ہو کہ اس کا چہرہ بچوں کا سا نظر آئے، خدا نے ڈاڑھی اور مونچھیں اسی واسطے بنائی تھیں کہ ان سے مردوں کے چہرے کی زینت ہو، جو لوگ ڈاڑھی کا مذاق اور مخول اُڑاتے ہیں وہ حضرت یسوع مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذاق اور مخول اُڑاتے ہیں، اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ڈاڑھی رکھتے تھے۔

دیکھا آپ نے کہ ایک عیسائی اپنے مذہبی اور طبّی تحقیق میں مختصر لفظوں میں کیا کچھ کہہ گیا۔

اس کے نزدیک جوان کو اِمرد، بے ریش بننے کی تمنّا کرنا، رجعت قہقری ہے، انسان پھر بندر بننے کی تمنّا کرنے لگے، اور انیس صدیاں گزرنے پر بھی اپنے نبی کی اتنی قدر کرتا ہے کہ ڈاڑھی کا مضحکہ اُڑانے والوں کو یسوع مسیح علیہ السلام کا مضحکہ اُڑانے والا بتاتا ہے، اس لیے کہ وہ ڈاڑھی رکھتے تھے، مدعیانِ اسلام بتلائیں کہ وہ کیا قدر کررہے ہیں۔ سیّدالانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی جن کے اُمّتی بن کر قبل قیامت یہی حضور مسیح علیہ السلام تشریف لائیں گے۔

ہم نے چارلس ہومر کا مضمون بجنسہٖ درج کردیا کہ تصرف اور خیانت عیب ہے، مگر مونچھوں سے متعلق ہمیں اس کی رائے سے اختلاف ہے۔ خود ہومر کو بھی اس کا اقرار ہے کہ حضرت یسوع مسیح کی مونچھیں بڑھی ہوئی نہ تھیں، ورنہ جہاں اس نے اس کا اظہار کیا ہے کہ یسوح مسیح ڈاڑھی رکھتے تھے، وہیں ان کی بڑی مونچھیں رکھنے کا بھی ضرور ذکر کرتا۔

مولانا میرٹھی کے رسالہ کا خلاصہ ختم ہوا۔ اس ناکارہ نے جب یہ رسالہ شروع کیا تھا۔ اس وقت صرف مولانا میرٹھی کا رسالہ ذہن میں تھا اور وہ بھی مدینہ میں نہیں تھا۔ مگر شروع کرنے کے بعد احباب نے بہت رسالے اس مضمون کے اپنے اپنے پاس سے لاکر دیئے، تو خیال یہ ہوا کہ ماشاء اللہ اس سلسلہ میں تو بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اس لیے میں نے تو اپنے رسالہ کو ملتوی کردیا تھا مگر بعض دوستوں کا اصرار ہوا، کہ مختصر ہی سہی جب شروع کردیا تو کچھ نہ کچھ لکھ ہی دیا جائے۔ میں نے بھی سوچا کہ اب ضرورت کا درجہ تو نہیں ہے۔ مگر احیائے سنت کے ثواب میں شرکت تو میری بھی ہوہی جائے گی، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ڈاڑھی والوں کا مذاق اُڑایا جاتا ہے تو ان کو میں ایک شعر سنایا کرتا ہوں:

"لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار وتمکیں
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا"

سیّدالکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم شافع المذنبین کی خوشنودی کے مقابلہ میں احمقوں کا مذاق کیا قابلِ التفات ہوسکتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ.

✿ ✿ ✿

جو داغ اُبھرے ہیں دامن پر
اُنھیں دھویا کہاں ہوں میں ...!

از: عزیز بلگامی

جس زمین پر ہم زندگی بسر کرتے ہیں، چند صدیوں پہلے تک اِس کے بارے میں ہمیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ یہ ایک مقام پر ٹھہری ہوئی ہے یا متحرک ہے، گول ہے یا بیضوی۔ ہمیں خبر تک نہیں تھی کہ اس کا رقبہ یا حجم کیا ہے۔ سائنسی اور جغرافیائی علوم کی ترقی نے اِس کے گوناگوں رازوں پر پڑے دبیز پردے ہٹا دیے ہیں۔ اب ہم تمام تر شواہد کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ زمین بسیط کائنات کے کسی نامعلوم گوشے میں سورج کے گرد ایک گیند کی مانند گردش کررہی ہے جس کا دو تہائی سے زیادہ حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے اور صرف ایک تہائی حصہ پر ہی خشکی ہے، جس پر انسانوں کے علاوہ کئی انواع واقسام کے جاندار مخلوقات کا بسیرا ہے۔

زمانۂ قدیم سے ساحلوں پر آباد انسان جانتے تھے کہ سمندر کا پانی نمک آلود یا کھارا ہوتا ہے۔ اسی میں ندیوں اور دریاؤں کا میٹھا پانی جن سے ہم اپنی پیاس بجھاتے ہیں، آ گرتا ہے۔ اِن دونوں ہی قسم کے پانیوں سے رب تعالیٰ اپنی مخلوق کو رزق مہیا کرتا ہے۔ بغیر پانی کے انسانی آبادی کا وجود سنگین خطرے کی گرفت میں ہوگا۔ دنیا کے تقریباً تمام قدیم اور مشہور شہر زیادہ تر کسی نہ کسی ندی کے کنارے ہی آباد نظر آتے ہیں۔ رفتہ رفتہ زیرِ زمین پانی کی موجودگی کا انسانوں کو علم ہوا۔ کنوؤں سے پانی کی انسانی ضرورت کسی درجے میں پوری ہونے لگی۔ مشینی دور کے آغاز کے بعد زیرِ زمین شیریں پانی کے ذخائر کی کھوج اور حصول کے طریقوں میں ترقی ہوتی گئی۔ یہ حقیقت سامنے آئی کہ زیرِ زمین پانی Sub soil water کی شکل میں کھارے اور شیریں پانی کے زبردست ذخیرے کرّہ ارضی کا حصہ ہیں۔ مگر حیرت انگیز بات یہ کہ دونوں قسم کے آبی ذخائر ایک دوسرے میں تحلیل نہیں ہو پاتے۔ حالانکہ ہمیں ان کے درمیان ایسی کوئی دیوار Barrier دکھائی نہیں دیتی،

جبکہ Salanity اور Specific Gravity کی شکل میں یہ نہ دکھائی دینے والی دیواران دونوں قسم کے پانیوں کے درمیان حائل رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساحلِ سمندر پر آباد شہروں کے کنوؤں کا پانی بھی قابلِ استعمال اور شیریں ہوتا ہے، جبکہ سامنے چند ہی گز کے فاصلے پر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کا کھارا پانی موجود ہوتا ہے جو پینے کے قابل نہیں ہوتا۔ اگر کبھی سمندر کا کھارا پانی میٹھے پانی کے اِس ذخیرے میں تحلیل Mix ہوجائے تو انسانیت پینے کے پانی سے محروم ہوجائے گی اور زندگی کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ مگر رب تعالیٰ کی قدرت دیکھئے، کہ اُس کی یہ دونوں ہی مخلوقات یعنی میٹھا پانی اور کھارا سمندری پانی آپس میں تحلیل ہوئے بغیر انتہائی وفاداری اور شرافت کے ساتھ انسانیت کی خدمت میں مصروف ہیں کہ محسوس بھی نہیں ہونے دیتے۔ سائنس نے یہ دریافت کیا ہے کہ دونوں سمندروں کا پانی ایک دوسرے میں، ایک مخصوص گہرائی کو حاصل کر لینے سے پہلے مل نہیں سکتا اور جب وہ یہ گہرائی حاصل کر لیتا ہے تو اِنسان کی ضرورتیں تب تک پوری ہوچکی ہوتی ہیں۔ وہ رنگت جو دونوں پانیوں کو الگ کرنے والی ہے وہ صاف دکھائی دیتی ہے۔ مگر دونوں کی Density اور Specific Gravity اور دونوں کی تپش بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ دونوں ہی طاقتور منبع ہائے آب، چاہے زمین پر ہوں یا زیرِ زمیں، اپنے رب کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ قرآنِ مجید کی پچپنویں سورۃ کی اُنیسویں اور بیسویں آیتوں میں اِسی غیر معمولی حقیقت کی طرف اشارہ موجود ہے:

”(رب تعالےٰ نے) دو بحر پہلو بہ پہلو رواں کئے اِن دونوں کے مابین (ایک) آڑ حائل ہے (جس سے آگے) وہ تجاوز نہیں کر سکتے (اور نہ ایک دوسرے میں تحلیل ہو سکتے ہیں)۔“

دنیا کی تیز رفتار ترقی، اُس کی مسلسل کھوج اور علمِ جدید کی مستقل جستجو یعنی کُل ملا کر ان میں انسان کو ایک بے کراں سمندر دکھائی دیتا ہے جب کہ یہ نت نئی سائنسی ایجادات، سمندر تو کیا سمندر کے ایک قطرے کے برابر بھی نہیں ہیں۔ گزشتہ صدی میں کچھ ایسے ملحد بھی منظرِ عام پر آئے جنہوں نے اِن ہی چند سائنسی ایجادات کی بنا پر بڑی عجلت میں خدا کے وجود کا انکار کر دیا تھا۔ شکر ہے کہ آج وہ حالت باقی نہیں رہی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ سائنس داں ایک Error Free Nature کی عظمت کو تسلیم کرنے لگا ہے۔ اب اُسے خدا کی بے پناہ عظمتوں کا اعتراف ہے اور اُسے یہ بھی احساس ہوگیا ہے کہ خدا کتنی زبردست قدرتوں والا ہے۔ اس نے ہر طرح کی مخلوق کو کس کمال درجے سے تخلیق فرمایا ہے اور کیسی زبردست جامعیت اور Perfection سے سرفراز کیا ہے۔ کہیں

کوئی جھول، کوئی نقص باقی نہیں رکھا۔ اس کا ہر کام انتہائی منضبط اور منظّم ہے۔ کسی بھی کام کے لئے اسے کسی کی مدد درکار نہیں۔ کائنات کی بڑی سے بڑی شے کی تخلیق سے پہلے اُسے کسی ماڈل کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اُس کے تخلیقی منصوبے میں کبھی ''آزماؤ اور غلطی ہو تو پھر بناؤ'' یا Trial and Error جیسی کوئی کیفیت نہیں پائی جاتی۔

اب اُسے غور کرنا چاہیے کہ دنیا کی ہر شے ایک دوسرے سے انتہائی مربوط، ہم آہنگ اور ایک دوسرے کی معاون ہے تو کیوں ہے۔ یہاں کا ہر سسٹم ایک دوسرے پر منحصر اور ایک دوسرے کا مددگار ہے تو کیوں ہے۔ دراصل یہی باہمی ربط و ارتباط اِس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ اِس کائنات کا ایک ہی خدا ہونا چاہیے اور فی الواقع ہے، اِس لیے کہ ایک سے زائد خداؤں کی موجودگی میں اِس قدر عظیم ربط وضبط اور Perfection کا وقوع پذیر ہونا ممکن نہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اِن عظیم قدرتوں والے رب کا کوئی پارٹنر بھی نہیں ہوسکتا ہے؟ نہ اس کے جیسا کوئی ہے۔ پھر کوئی دوسرا ایسا نہیں جس نے کسی ایک چیز کی بھی تخلیق کی ہو؟ اپنی پُرنور کتاب کی پینتیسویں سورۃ کی چالیسویں آیت میں تمام انسانیت سے خود رب تعالےٰ دریافت کر رہا ہے: ''آپ (اِن مشرکین سے) دریافت کیجیے (کہ) تمہاری نگاہِ (خرد) کیا (اِس حقیقت کو کبھی) دیکھ (بھی) پاتی ہے کہ اللہ کے بجائے جن (نام نہاد) شرکاء سے تم فریادیں کرتے (رہتے) ہو (اُن کی حقیقت کیا ہے؟)، مجھے بتاؤ (تو سہی) کہ زمین میں اِنہوں نے کون سی (شے) تخلیق کر (دکھائی) ہے یا (یہ کہ) آسمانوں (کی تخلیق میں) اِن کی (کسی قسم کی) شراکت داری (بھی) ہے...''

کائنات کی ہر شے جیسے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ میں خالقِ واحد کی تخلیق ہوں۔ انسانوں کی عقلِ عام اور سائنس بھی یہی جواب دے گی کہ ہر شے اُسی کی خالقانہ قدرتوں کی مرہونِ منت ہے، اس پر اُسی کے مالکانہ حقوق قائم ہیں اور کوئی مخلوق اپنے آپ میں بااختیار ہرگز نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ آج بھی، حضرتِ انسان بڑے فخر کے ساتھ جسے عصرِ جدید کہتا ہے، عقل وفہم، منطق و معقولیت کا خود کو علمبردار کہتے نہیں تھکتا، اپنے رب کو پہچانتا نہیں یا نہ پہچاننے کی اداکاری کرتا ہے اور اُسی کی تخلیق کردہ اشیاء یا شخصیات کے آگے بے مہابہ سرِ تسلیم خم کرتا ہے، جنہیں تخلیق کا یارہ تو کیا ہو، یہ خود مخلوق کے زُمرے میں شمار ہوتے ہیں۔

اپنی کتابِ ہدایت کی پچیسویں سورۃ کی تیسری آیت میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے:

''(شرک زدہ اِنسانوں کا حال بھی بڑا عجیب ہے کہ) اللہ کے بجائے، تراش لیتے ہیں اپنے لیے

معبود، جبکہ اِن (جیسے خود ساختہ) معبودوں نے کسی شے کی تخلیق کی ہی نہیں، (تخلیق تو کجا) وہ خود ہی تخلیق شدہ ہیں اور (اِن کی محرومیوں کا یہ عالم ہے کہ) خود اپنی ذات (کے سلسلے میں) کسی نفع وضرر کے مالک نہیں اور نہ اپنی موت کے مالک ہیں اور نہ اپنی حیات کے اور نہ دوبارہ جی اُٹھنے پر اُن کی کوئی گرفت ہے۔''

انسانیت کی ترقی روز افزوں ہے۔ نت نئی سائنسی ایجادات کا سلسلہ جاری ہے۔ فطرت کے نہاں خانوں میں موجود قوتوں کی دریافت پر دریافت ہورہی ہے اور اگلے وقتوں کے مقابلے میں اِس کی رفتار کچھ زیادہ ہی ہے۔ پھر حال یہ ہے کہ کسی بھی شے کی دریافت کے لیے اُسے، اپنے رب ہی کی تخلیق کردہ اشیاء کا سہارا لینا پڑتا ہے اور ان ہی کے استعمال سے وہ ترقی کی اگلی منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ اس حقیقت سے خوب واقف ہے کہ اُس نے کچھ تخلیق نہیں کیا ہے۔ کارِ تخلیق میں اُس کا کوئی حصہ نہیں۔ انسان نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ رب تعالےٰ کی تخلیق کردہ چیزوں کی پوشیدہ قوتوں کا تفصیلی تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُس کی طبعی، نامیاتی، کیمیائی خصوصیات کیا ہیں۔ ان ہی سائنسی خصوصیات کے بل بوتے پر اُس نے اپنی ترقی کی راہیں طے کی ہیں۔ کیا ان خصوصیات کی تخلیق میں اور ان میں ودیعت کی گئی صلاحیتوں میں انسان کا کوئی رول ہوسکتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا اشیاء کی خصوصیات کی تخلیق میں اور اِن میں ودیعت کی گئی صلاحیتوں کی تخلیق میں حضرت اِنسان کا کوئی حصہ بھی ہے؟

بائیسویں سورۃ کی تہترویں آیت میں رب تعالیٰ کا یہ چیلنج ہے: ''اے کرّہٴ ارض کے باشندو! ایک تمثیل پیش کی جاتی ہے، جسے توجہ سے سماعت کرو: اللہ کے بجائے (یہ جو تم) جن جن کو پکارتے رہتے ہو، یہ (سب کے سب) ایک مکھی کو معرضِ وجود میں لانے کے لیے مجتمع ہو جائیں (تو تم دیکھو گے کہ) وہ ایک مکھی کی بھی تخلیق ہرگز نہیں کر پائیں گے۔ (تخلیق تو دور کی بات ہے) اگر کوئی مکھی اِن سے کوئی شے جھپٹ لے جائے تب بھی وہ اُس کی بازیافت نہیں کرسکیں گے۔ (یہ تمثیل اِس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کردیتی ہے کہ کس قدر) ضعف زدگی کا مارا ہوا ہے، طلب گار بھی اور وہ بھی جس سے طلب کیا جارہا ہے۔''

الغرض حقیقتِ توحید کی بازیافت کے لیے اِنسان کو بہت دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اپنے آس پاس کی اشیاء ہی پر جیسے درجِ بالا آیت کی تمثیل میں نظر آتا ہے، غور کرلے تو اُسے اپنے رب کی معرفت حاصل کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ مثلاً، اگر دوسری بظاہر معمولی شے پانی

پرہی ہم غور کریں تو حقائق کی کئی پرتیں ہمارے سامنے کھل جاتی ہیں۔ پانی انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ یہ ایک وزنی مائع ہے۔ایک گھڑے میں پانی بھرا ہوا تو اِسے اٹھانے میں بڑی دشواری ہوتی ہے، اِس لیے کہ پانی وزن رکھتا ہے۔ایک ہزار لیٹر پانی کا وزن کم ازکم ایک ٹن ہوتا ہے۔ چونکہ سیال ہوتا ہے، اِس لیے اِس کا Transportation کافی پیچیدہ بھی ہوتا ہے اور مہنگا بھی۔اگر پانی سمندر کا ہو تو معاملہ اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے۔اِس کو قابلِ استعمال بنانے یا اصطلاحاً Treatment کے مراحل سے گزارنے کے لیے سرمایۂ کثیر درکار ہوتا ہے۔ بڑی محنت و مشق کے بعد سمندر کے پانی کی ایک محدود مقدار کے کھارے پن کو دور کرنا غیر تسلی بخش طور پر ممکن ہوسکتا ہے۔ چونکہ سمندر کے نمکین تلخ پانی Saline Water سے ایک تو، پیڑ پودوں کی سیرابی ممکن نہیں اور دوسرے، سمندری پانی کی گرفت میں آنے والی مٹی سبزہ اُگانے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے، کوئی پیڑ پودا اِس کی نمکینی کے سبب زمین میں قرار نہیں پکڑتا۔ابھی چند سال قبل سونامی کے حواس باختہ واقعہ نے ایسی کئی مثالیں زمین کی سطح پر ثبت کی ہیں، جیسے جزائرِ انڈمان کے زرعی علاقے آج کسی فصل کو جڑ پکڑنے نہیں دے رہی ہیں اور حکومت ہند کی ساری تدبیریں بے نتیجہ ثابت ہورہی ہیں اور یہ سب کچھ محض ایک لہر کا نتیجہ ہے جو صرف ایک بار آئی اور لوٹ گئی۔

اب خدائی نظام ملاحظہ ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ دنیا کے تقریباً 71% حصہ پر سمندر پھیلا ہوا ہے۔اسی سمندر سے رب تعالیٰ پانی کو بخارات کی شکل میں اوپر کی جانب اٹھنے کا حکم دیتا ہے۔ پھر بخارات کو یہ حکم دیتا ہے کہ پانی کی ساری تلخیاں، ساری کثافتیں اور نمکینیاں اپنے پیچھے چھوڑ کر اٹھیں۔اب جب بارش کی بوندیں زمین پر برستی ہیں تو دنیا جانتی ہے کہ ہمیں جو پانی میسر آتا ہے وہ کثافت اور آلودگی سے پاک یا Non Polluted ہوتا ہے، جس کا مقابلہ زمین پر موجود کوئی شیریں پانی نہیں کرسکتا۔ سمندر کے پانی کی نمکینی کو ختم کرنے کا یہ ایک ایسا مکمل نظام ہے، جس میں نقص تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتا۔ یہی پانی تلخ اور نمکین خصوصیات سے پاک ہوئے بغیر اگر ہم پر برسنے لگے تو ہمیں اپنی بے بضاعتی اور ہماری عالمِ مجبوری کا احساس ہوجائے گا۔ کیونکہ یہ ہمارے کسی کام کا نہ ہوگا نہ انسانیت اپنی پیاس بجھا پائے گی۔ دراصل دورِ حاضر کے مادہ پرست انسان کی اِس جانب توجہ ہی نہیں کہ کتنی عظیم نعمت سے اُس کے رب نے انسانیت کو نوازا ہے۔ ہمارے سینے اِس قدر خشک ہوگیے ہیں کہ اِن سے شکر گذاری کے جذبات کی ایک لہر بھی نہیں اٹھتی۔ ہمارے مزاج کی نرمی اور اِس کی انکساری Humbleness پتہ نہیں کہاں غائب ہوگئی

ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم جھک جائیں، اپنے آپ کو بچھادیں اپنے رب کریم کے حضور۔

دراصل ہم خود اپنی ہستی سے ناواقف ہیں اسی لیے اپنے رب کو پہچان نہیں پاتے نہ ہم اپنے آپ کو اُس کی فرمانبرداری میں دینے پر آمادہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مظاہرِ کائنات پر غوروفکر کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ ورنہ ہمیں غوروفکر کی عادت ہوتی تو بہ آسانی سمجھ میں آتا کہ کس سلیقے کے ساتھ ایک مکمل نظام کے تحت اُس کی ضرورت کی ہر شے کی مسلسل سپلائی جاری ہے۔ صرف پانی کی سربراہی Continuity میں فرق پڑ جائے تو کیا اس کا ذخیرہ کرنا ہمارے لیے ممکن ہے؟ بارش سے پانی کی سپلائی نہ ہو، تو ندیاں سوکھ جائیں گی اور چھوٹے بڑے Dams بھی خالی ہو جائیں گے۔ کہاں سے ہم پانی کا ذخیرہ کرسکیں گے؟ پانی کے بغیر اپنے سارے چھوٹے بڑے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے! دریاؤں، ندیوں، تالابوں، زیرزمین پانی کے بہتے چشموں یا ذخیروں، پہاڑی آبی دھاریوں، فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کے چمکدار تودوں کی موجودگی، پانی کے اُسی Storage System کا حصہ ہے جسے خود رب تعالیٰ نے Develope کیا ہے۔

اس عجیب نظام کا ذکر ہمیں تیئسویں سورۃ کی اٹھارویں آیت میں واضح طور پر ملتا ہے اور ہمیں یہ اعتراف کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ ہم کس قدر کمزور واقع ہوئے ہیں اور ہمارے رب کی مہربانیوں کا کیا عالم ہے: ''اور آسمان کی بلندیوں سے ہم ایک مخصوص مقدار میں بارش برساتے ہیں اور (پھر تمہاری ضروریات کی تکمیل کے لیے آبی ذخیروں کی شکل میں بھی) زمین میں اِسے جائے قرار عطا کرتے ہیں، جب کہ ہم اِس بات پر بھی قادر ہیں کہ (اِن ذخیرہ ہائے آب کو) ہٹادیں یا (بھاپ بنا کر اُڑادیں)۔''

بعض اوقات ایک فضول سا خیال ہمارے ذہنوں کو چھو کر گزر جاتا ہے کہ اگر سمندر کا پانی کھارا رہنے کے بجائے میٹھا ہوتا تو شاید انسانیت بڑے فائدہ میں رہتی! لیکن تھوڑے سے غوروفکر کے بعد ہماری خام خیالی ہم پر منکشف ہو جاتی ہے کہ دراصل ہم سمندری پانی کے کھارے پن کی خصوصیات اور فوائد سے ناواقف ہونے کے سبب ایسے فضول خیالات کو اپنے ذہنوں میں راہ پانے کا موقع دیتے ہیں۔ سمندر چونکہ زمین پر پانی کا ایک بے پناہ ذخیرہ ہے اور خشکی سے بھی زیادہ رقبے پر پھیلا ہوا ہے، اِس لیے یہ لاتعداد انواع واقسام کے جانداروں کا گھر ہے جہاں ظاہر ہے کہ اِن کی اموات بھی واقع ہوتی رہتی ہیں جس طرح خشکی کے جانور مرتے رہتے ہیں۔ اب اگر

سمندر کا پانی میٹھا رہتا ہے تو مرے ہوئے سمندری مخلوقات کے سڑ جانے سے پورے عالم میں ایک تباہ کن تعفن کا پیدا ہونا ناقابلِ قیاس نہیں۔ یہاں تک کہ خشکی پر مرنے والے جانوروں کے تعفن کو دیگر انسانی کثافتوں کے ساتھ آخر کار پانی ہی ختم کرتا ہے جو پہلے تو ندی نالوں کے ذریعہ بہا کر لے جاتا ہے اور بالآخر سمندر کا نمکین پانی اِس کی بیماری پھیلانے کی صلاحیتوں کو ختم کردیتا ہے۔ پھر یہی پانی آبی بخارات کی صورت اختیار کر کے ساری کثافتوں کو فلٹر کردیتا ہے اور بادلوں، ہواؤں کے دوش پر اوپر کی جانب اُٹھتا ہے اور انسانوں کو یہ پیغام دے جاتا ہے کہ پاکیزہ وطیّب چیزیں ہمیشہ عروج کی سمت ہی حرکت کرتی ہیں۔ پھر اسی طرح جب یہ پاک پانی آسمان سے برسنے لگتا ہے تو اِس احساس سے دل و دماغ ایمان کی خوشبو سے مہکنے لگتے ہیں کہ ہر طیّب و پاکیزہ چیز اوپر ہی سے اُترتی ہے جیسے اللہ کا کلام اور اُس کی آیتیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنِ حکیم میں لفظ ''نازل ہونا'' وحی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور پانی کے لیے بھی۔

پھر ہمیں یہ کیا ہوگیا ہے کہ ہم اپنے مزاج کی کثافتوں، اپنے نفس کی آلودگیوں اور اپنی انا، ضد، غصہ اور حسد کی گندگیوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اپنے کردار و معاملات کو پاکیزگیوں کی بلندیوں کی طرف نہیں لے جاتے؟

ابھی کچھ شرم ساری ہو، ابھی کچھ اشک بہنے دو
جو داغ اُبھرے ہیں دامن پر اُنہیں دھویا کہاں ہوں میں

(ع ب)

کیا ایسے سازشی بھارت کے دوست ہو سکتے ہیں؟

از:　ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی
۱۵- گاندھی روڈ، دہرہ دون

ممبئی اے.ٹی.ایس نے مالیگاؤں بم دھماکہ کیس میں جو چارج شیٹ داخل کی ہے اس کی جو رپورٹنگ میڈیا میں آرہی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ کرنل پروہت کا گروہ ہندوستان کو ایک ہندو راشٹر بنانا چاہتا تھا۔ فوج میں پروہت کے ایک معاون افسر جو ابھی فوج میں ہے جو کہ سرکاری گواہ بن گیا ہے نے بتایا کہ ہمارے لوگوں کی ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں C.I.A کا آدمی اور ''را'' کا سابق افسر بھی شریک تھا۔ یہ میٹنگ ۱۲/اپریل ۲۰۰۸ء کو بھوپال کے رام مندر میں ہوئی تھی، خود پروہت نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ وہ اسرائیل کی مدد سے یہ مشن پورا کرنا چاہتا تھا۔ اسرائیل نے ہمیں ہر ممکن مدد کا یقین دلایا تھا اور ہم سے پہلے ہوم ورک کرنے کے لیے کہا تھا۔ (دینک جاگرن ۲۱/۱/۲۰۰۹ء، ہندی ہندوستان ۲۳/۱/۲۰۰۹ء)

یہ خبریں اخباروں اور میڈیا میں ایک دن جھلک دکھا کر غائب ہوگئیں۔ مگر حیرت اور تشویش کی بات یہ ہے کہ میڈیا، سیاسی پارٹیاں، سیکولر دانشور، قانون داں، قومی مفاد کے ٹھیکیدار، پوری مرکزی حکومت کے ذمہ داران، دفاعی امور کے ماہرین، بھگوا بریگیڈ کے کارکن سب کے سب خاموش رہے۔ حیرتناک بات یہ ہے کہ یہ تمام انکشافات ثبوتوں کے ساتھ ہندوستان کی ریاستی پولیس کے خصوصی دستہ نے عدالت میں لگائے ہیں، کسی مولوی یا مدرسہ کے ذمہ دار یا لالو، ملائم نے نہیں لگائے ہیں۔ اتنی بڑی سازش کی خبر .A.T.S اپنی 4500 صفحات کی چارج شیٹ دیتی ہے جس میں ہمارے دو نئے نئے سب سے عزیز اور ہمدرد دوست ممالک کے حوالہ سے یہ بات بتائی جاتی ہے کہ وہ ملک کو توڑنا چاہتے ہیں یہاں ''ہوم ورک'' کے نام پر بم دھماکوں اور ''ردِ عمل'' کی جھڑی لگانا چاہتے ہیں اور پورے ہندوستان کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ کہیں سے امریکہ اور

اسرائیل کے ناپاک ارادوں کے خلاف آواز نہیں اٹھتی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ملک توڑنے کی سازش پاکستان، بنگلہ دیش، سعودی عرب کے حوالہ سے آئے تو پورے ملک کو تشویش ہوگی، مگر ہمارے دوست نما دشمن آستین کے سانپ اگر ملک توڑنے کی سازش کریں تو سارے ''دیش بھگت'' خاموشی اختیار کرلیں۔غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا ان الزامات میں کچھ بھی ناممکن یا ایسا ہے کہ جس پر ان ممالک کی گذشتہ کارستانیوں کی روشنی میں بعیداز قیاس سمجھا جائے۔سب جانتے ہیں کہ اسرائیل اور امریکہ کے تعلقات کتنے قریبی بلکہ جسم و جان کی طرح رہے ہیں مگر اسرائیل نے تاریخ میں بار بار امریکہ کو نقصان پہنچایا ہے یا پہنچانے کی کوشش کی ہے تاکہ اسے اشتعال دلایا جائے۔قریب ترین مثال یمن کی ہے جہاں امریکی سفارت خانہ پر اکتوبر ۲۰۰۸ء میں حملہ ہوا کئی لوگ مارے گئے۔دسمبر ۲۰۰۸ء میں یمنی صدر علی عبداللہ صالح نے پریس کو بتایا کہ پکڑے گئے ملزموں کا تعلق اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد سے تھا۔جہاں تک امریکی CIA کا تعلق ہے سب جانتے ہیں کہ وہ کس طرح ''دوست ممالک'' میں دوستوں کو ''تحفظ'' دیتی ہے اور انہیں مرحوم شاہ فیصل اور ضیاء الحق کی طرح صاف بھی کراتی رہتی ہے۔ہندوستان میں CIA کی کارستانیاں ایسی تھیں کہ شریمتی گاندھی کے زمانہ میں CIA کا ایجنٹ ویسے ہی گالی تھی جیسے آج القاعدہ اور ISI ہے۔کیا CIA نے اپنا کردار بدل لیا ہوگا؟ ابھی حال میں ہی یہ تنازعہ سامنے آیا کہ بیرونی خفیہ ایجنسی ''را'' کے اعلیٰ ترین افسر کو CIA نے اپنا ایجنٹ بنا رکھا تھا۔اور راز کھلنے پر اسے نیپال کے راستہ باہر نکال کر امریکہ بھیج دیا۔بحریہ وار روم لیک کے معاملہ میں بھی بیرونی ایجنسیاں ملوث پائی گئی ہیں۔سابق N.D.A حکومت میں شور اٹھا تھا کہ پرائم منسٹر ہاؤس PMO میں ایک امریکی بھیدی "Mole" ہے۔ظاہر سی بات ہے کہ خفیہ ایجنسیوں پر اربوں روپیہ اس لیے خرچ کیے جاتے ہیں کہ وہ اپنے ملکی مفادات کے لیے دنیا بھر میں کاروائیاں کریں۔ان کاروائیوں کے مکروہ چہرہ اور انسانیت کش اثرات دنیا بھر میں دیکھ رہے ہیں۔ہر جگہ یہ طاقتور ایجنسیوں کا خفیہ کھیل ہے جو انسانوں کی بربادی، قتل وخون کی شکل میں کھیلا جارہا ہے۔

پروہت نے اپنی تفتیش کے دوران خاص طور سے اسرائیلی مدد کا ذکر کیا ہے۔اور اسرائیلی رہنمائی یعنی ''ہوم ورک'' یا ''ابتدائی کام'' کا ذکر کیا ہے۔اس تعلق سے موساد کے ایک منحرف ایجنٹ وکٹر اوسٹروسکی Victor Ostrovsky کی کتاب ''فریب کا دوسرا چہرہ'' نظروں سے گذری اس میں سے کچھ مثالیں ان واقعات کی پیش ہیں جو کہ قریب کے زمانہ میں وقوع پذیر ہوئے ہیں اور جس

سے اس ایجنسی کے خبیث اور مکروہ چہرہ سے پردہ ہٹ جاتا ہے۔اور تعجب ہوتا ہے کہ ایسے دھوکہ باز اور پیچھے سے وار کرنے والے ملک کو ہم اپنا سب سے قریبی دوست بتارہے ہیں اس سے اربوں ڈالر کے ہتھیار خرید رہے ہیں۔اس کے ایجنٹوں کو اپنے یہاں حفاظت کے لیے بلا رہے ہیں کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ وہ ان تمام مفادات کے حصول کے لیے ہی ہمارے ملک میں دھماکوں، قتل، دہشت اور فساد کا بازار بالواسطہ اور بلاواسطہ کرا رہا ہو؟ چند مثالوں سے یہ بات واضح ہوسکتی ہے۔

(۱) ۱۴/اپریل ۱۹۸۶ء کو ایک سو پچاس امریکی بمبار طیاروں نے لیبیا پر ساٹھ ٹن بم گرائے۔اس حملہ میں لیبیا کے چالیس شہری، کرنل قذافی کی منھ بولی بیٹی شہید ہوئی۔اس حملہ پر امریکہ کو اکسانے کے لیے موساد نے آپریشن ٹروجن ۱۷اور ۱۸/فروری ۱۹۸۶ء کی درمیانی رات کو شروع کیا۔دو اسرائیلی کشتیاں جو میزائیلوں اور دوسرے اسلحہ سے لیس تھیں اور ایک ہیلی کاپٹر بھی تھا بحر روم میں آبنائے سسلی سے گذر کر طرابلس کے پاس لیبیا کے پانی میں داخل ہوگئیں اس کشتی سے بارہ کمانڈو چار چار کی شکل میں باہر نکل کر تیز رفتار کشیوں ''پرندہ'' میں ساحل کی طرف چل پڑے۔ساحل پر اتر کر انھوں نے ایک سبز رنگ چھ فٹ لمبا اور سات انچ موٹا سلنڈر ''ٹروجن'' اٹھالیا اور ساحل پر کھڑی وین میں سوار ہوکر طرابلس کے لیے روانہ ہوگئے۔طرابلس میں یہ وین الجمہوریہ اسٹریٹ کی ایک رہائشی عمارت کے عقب میں پہنچ گئی۔اور یہ سلنڈر ایک قالین میں لپیٹ کر ایک پانچ منزلہ عمارت میں لے جایا گیا اور پانچویں منزل کے ایک اپارٹمنٹ میں ڈش انٹینا لگا کر نصب کردیا گیا۔اسی عمارت سے تین بلاک دور کرنل قذافی کا ہیڈ کوارٹر اور رہائش تھی۔موساد نے یہ اپارٹمنٹ کرایہ پر لے رکھا تھا۔اور چھ مہینہ کا کرایہ پیشگی ادا کردیا گیا تھا۔اس کے بعد یہ کمانڈو واپس کشیوں کے ذریعہ چلے گئے۔اس سلنڈر میں پیغامات نشر کرنے کے آلات تھے۔اس آلے کا I.D.P. نیوی جہاز سے رابطہ ہوتا ہے۔جو قریب ہی سمندری ساحل پر کھڑا رہ کر پیغامات نشر کرتا ہے۔ان پیغامات کو یہ سلنڈر وصول کرکے دوبارہ نشر کرتا ہے۔مارچ کے آخر تک امریکیوں نے اس ''ٹروجن'' سے پیغامات وصول کرنے شروع کردیئے جس میں ایسے پیغامات تھے جو دنیا بھر کے لیبیائی سفارت خانوں کے لیے ہوتے تھے جس میں انھیں دہشت گردی کے احکامات جاری کیے جاتے تھے۔امریکی ان پیغامات کو پکڑ کر سمجھے کہ لیبیا مغربی ممالک پر حملہ کرا رہا ہے اس لیے وہ بھڑک گئے۔موساد بالکل یہی اطلاعات مغربی ممالک میں بھی فراہم کرتا تھا جس سے ایسا لگتا تھا کہ لیبیا سے پکڑے گئے احکامات قطعی صحیح ہیں۔اسی دوران مغربی برلن کے لابیلے کے ڈسکو

تھیک میں دھماکہ ہوا اور امریکی شہری مارا گیا۔ الزام لیبیا کے سر لگا کر بمباری کردی گئی۔ اسرائیل کا مقصد پورا ہوگیا۔

(۲) اردن امریکہ کا سب سے بڑا حلیف ہے وہاں موساد نے دوستی کا حق اس طرح ادا کیا: موساد نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اردن کی حکومت غیر مستحکم کرنے کے لیے وہاں انتشار پھیلانے کا یہ اچھا موقع ہے۔ انتشار پھیلانے کے لیے ہم بہت سی جعلی کرنسی مارکیٹ میں پھیلا کر حماس کی طرز پر مذہبی انتہا پسندوں کو مسلح کرکے ''اخوان المسلمون'' کو مضبوط کرکے، استحکام کے علمبردار کسی رہنما کو قتل کرکے اور یونیورسٹیوں میں فساد کرا کر حکومت کو سخت اقدامات پر مجبور کردیا جائے گا اور حکومت اپنی حمایت کھودے گی۔ (صفحہ ۱۶۴)

(۳) مشرق وسطیٰ میں دوسرے سب سے بڑے امریکہ دوست مصر کے ساتھ موساد کا رویّہ یہ تھا: موساد افغانستان کے ذریعہ مصری بنیاد پرستوں کو ہتھیار دے رہی تھی۔

(۴) کویت کی پائپ لائنوں پر حملہ کرنے کی تربیت عراق کے لوگوں کو موساد ہی دے رہی تھی۔ (صفحہ ۱۳۸)

(۵) عراق-ایران جنگ کے دوران موساد نے جرمنی ڈنمارک کے توسط سے ایران کے فینٹم امریکی جہازوں کے لیے فاضل پرزہ اور ہوابازوں کو جرمنی میں تربیت دی۔ اور بڑی مقدار میں اسلحہ گولہ بارود وغیرہ ایران کو فروخت کیا۔ (صفحہ ۱۸۲، ۲۵۰)

(۶) مصر میں اخوان کو افغانستان سے اسلحہ بھیجنے کی لائن بڑی طویل تھی۔ اس کے لیے وہ صحرائے سینائی میں گھومنے والے خانہ بدوشوں کو استعمال کرتے تھے۔ ایک دفعہ مصر میں اسلحہ داخل ہونے کے بعد وہ مطلوبہ لوگوں تک پہنچایا جاتا تھا اس اسلحہ کے معاوضہ کے طور پر موساد مصر کے اندر ایسے ٹھکانے بتاتی تھی جس پر حملہ مطلوب ہوتا تھا۔ ان کا ہر وقت ایک مقصد ہوتا تھا غیر مستحکم، عدم استحکام (صفحہ ۲۲۲)

(۷) جنوبی افریقہ میں سیاہ فام لوگوں پر ادویات کا تجربہ موساد نے کرایا۔ (صفحہ ۲۵۶)

(۸) ایران-عراق جنگ ختم ہوچکی تھی۔ موساد امریکیوں کو صدام حسین کا تختہ الٹنے کو کہہ رہی تھی اور ساتھ ہی واشنگٹن میں اسرائیلی سفارت خانہ کے ذریعہ صدام حسین کو اس کی زندگی اور حکومت پر مختلف حملوں سے خبردار بھی کررہی تھی۔ موساد صدام حسین کو علاقہ میں اپنا بڑا اثاثہ سمجھتی تھی۔ کیونکہ جہاں تک بین الاقوامی سیاست کا تعلق ہے صدام اس سے بے بہرہ تھے۔ وہ کوئی ایسی

احمقانہ حرکت کر سکتے تھے جس سے موساد فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ جس چیز سے موساد خوفزدہ تھی وہ عراقی فوج کی تعداد تھی۔ ۱۹۸۸ء میں موساد نے اسرائیلی وزیر خارجہ کو مشورہ دیا کہ وہ عراق کے ساتھ امن مذاکرات ترک کردے۔ اس وقت امریکہ اور فرانس کے آشیرواد سے اسرائیل، اردن اور عراق کے مابین خفیہ طور پر امن بات چیت ہورہی تھی جس میں مصر اہم کردار ادا کررہا تھا۔ موساد نے سارے معاملات کو ایسا رخ دیا جس سے ظاہر ہونے لگا کہ عراق جیسے امن مذاکرات سے خوش نہیں تھا۔ موساد امریکہ کو یہ باور کرادیا کہ عراق کچھ اور چاہتا ہے۔ جنوری ۱۹۸۹ء میں اسرائیلی نفسیاتی جنگی مشین نے صدام حسین کو دنیا کے سامنے ایک ظالم خطرناک آدمی کے طور پر پیش کرنا شروع کردیا۔ اس نے اپنا ہر آدمی متحرک کردیا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل میں اپنے رضا کار ایجنٹوں سے لے کر امریکی کانگریس میں اپنے مکمل خریدے ہوئے لوگوں تک کے ذریعہ شور مچایا گیا کہ صدام اپنے ہی آدمیوں کو ہلاک کررہا ہے۔ تصویروں میں کرد ماؤں کو اپنے مردہ بچوں کو سینہ سے لگائے دکھایا گیا یہ سب عراقی فوج کے زہریلی گیس کے حملہ کا نتیجہ تھا۔ دوسری طرف کرد بغداد کے خلاف ایک بھرپور گوریلا جنگ میں مصروف تھے انھیں بھی موساد ہی اسلحہ سپلائی کررہی تھی اور مشیر بھی دے رہی تھی۔ موساد پریس کو نام نہاد ''معتبر ذرائع'' کے ذریعہ سے بتارہی تھی کہ کس طرح صدام اپنے ہاتھوں سے اپنے لوگوں کو ماررہا ہے۔ اور ایرانی شہروں پر بم برسارہا ہے۔ مگر حقیقت یہ بھی تھی کہ یہ بم ایرانی شہروں پر امریکی سٹیلائٹ کی مدد سے برسائے جاتے تھے۔ موساد چاہتی تھی کہ عراقی فوج کی تباہی امریکہ کے ہاتھوں ہوتا کہ اسرائیل کو اس کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ (صفحہ ۲۶۷-۲۶۸)

(۹) اکتوبر ۱۹۸۳ء میں بیروت میں امریکی اڈہ پر خودکش حملہ میں ۲۴۱ امریکی بحری سپاہی ہلاک ہوئے۔ اس حملہ کی اطلاع موساد کو تھی اور اسے حملہ آور کار کا اور ساخت بھی معلوم تھی مگر اس نے یہ اطلاع امریکی انٹلی جنس تک نہیں پہنچائی۔ (صفحہ ۲۸۸)

(۱۰) ۱۹۵۰ء میں اسرائیلی وزیر دفاع پیناس لیون کے حکم پر امریکہ-مصر تعلقات خراب کرنے کے لیے مصری یہودیوں کا ایک دہشت گرد گروہ مصر میں امریکی ٹھکانوں پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ منصوبہ ناکام ہوگیا۔ دہشت گرد پکڑے گئے۔ (صفحہ ۲۸۸)

(۱۱) ہمارے ملک میں ۲۶/۱۱ ممبئی حملہ کے تناظر میں اِس انکشاف کو خاص طور پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ۱۹۹۱ء میں صدر بش نے میڈرڈ (اسپین) میں اسرائیل اور عرب ممالک اردن، شام، مصر کی کانفرنس منعقد کرائی۔ مسٹر بش نے کافی دباؤ ڈال کر اسحاق شمیر کو میز پر آنے کے

لیے راضی کیا تھا۔ نتیجتاً موساد نے حکمرانوں کی مرضی بھانپ کر کچھ ایسا کرنے کو کہا جس سے فلسطینیوں اورامریکیوں میں ہمیشہ کے لیے دشمنی ہو جائے۔ انھوں نے طے کیا کہ فلسطینیوں کے ذریعہ اس کانفرنس کے دوران مسٹر بش کا قتل کرادیا جائے۔ چونکہ اسپین میں کانفرنس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی موساد کو ہی کرنی تھی اِس لیے یہ کام مشکل بھی نہیں تھا۔ موساد کے خاص یونٹ ''کدوم'' نے تین فلسطینیوں کو بیروت میں اپنے ساتھ بلایا۔ اور صحرا میں ایک کمین گاہ میں منتقل کردیا۔ ان کے نام بیج فین ہلدے، محمد حسین اور حسین شاہین تھے۔ ساتھ ہی امریکی صدر کو اصلی اور نقلی دھمکیاں بھی ملنی شروع ہوگئیں۔ دھمکیاں ابوندال گروہ کے نام پر فرضی دی جارہی تھیں۔ ہسپانوی پولیس کو کسی طرح یہ معلوم ہوگیا تھا کہ دہشت گرد میڈرڈ آرہے ہیں۔ اس خبر کو میں نے (اوسٹروسکی) کسی طرح امریکہ کے ایک ذریعہ تک پہنچایا جو مسٹر بش کا قریبی دوست تھا۔ اس نے سیکریٹ سروس کو آگاہ کردیا اور منصوبہ پر عمل نہیں ہو پایا۔ اور بیچارے ان تینوں فلسطینیوں کو اسرائیل لے جاکر نیس زیون کے تحقیقاتی مرکز میں قتل کردیا گیا۔ یہ خبر اُس زمانہ میں مشہور کالم نگار جیک انڈرسن نے لکھی تھی اور خاتون کالم نگار جین ہنٹر نے بھی کالم لکھا تھا۔ (صفحہ ۳۰۱-۳۰۴)

نوٹ: قابل غور نکتہ یہ ہے کہ موساد خود ہی محافظ بھی تھی اور خود ہی قتل کا انتظام بھی کرارہی تھی اور بش کو قاتلوں کے قریب تر لانے کا موقع بھی وہی بنانے والی تھی۔ اور مزہ کی بات فلسطینی اپنے تئیں یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ ایک بڑے دشمن کو ختم کرنے والے ہیں اور شاطر یہودی دونوں ہاتھ میں لڈو رکھے ہوئے تھے۔ اگر بش کا قتل ہوجاتا تو پلان یہ تھا کہ یہ تینوں فلسطینی موساد کے محافظوں کے ذریعہ وہیں شہید کردیئے جاتے صرف یہ پتہ چلتا کہ وہ فلسطینی تھے۔ ظاہر ہے امریکی اور دنیا بھر میں غصہ ونفرت فلسطینیوں کے خلاف بھڑکتا ان کا کچھ فائدہ بھی نہ ہوتا اور جس کا فائدہ ہوتا وہ کوتوال بھی تھا اور چور بھی تھا۔ اس واقعہ کی روشنی میں اگر ممبئی کے ۲۶/۱۱ حادثہ کو دیکھیں تو حیرت انگیز مماثلت محسوس ہوگی؟

موساد کے جس منحرف افسر اوسٹروسکی کی کتاب کے یہ اقتباس اوپر دیئے گئے ہیں یہ کتاب پہلے سال ہی دس لاکھ کی تعداد میں فروخت ہوئی اور دنیا کی پندرہ بڑی زبانوں (عبرانی کو چھوڑ کر) اور بیس ممالک میں فروخت ہوئی۔ کنیڈا اور امریکہ میں اس پر عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ رکاوٹ ڈالنے کی کوشش بھی ہوئی مگر وہ ناکام ہوگئی۔ کتاب دنیا کے دیگر ممالک میں یہودی تنظیموں خصوصاً موساد کے طریقہ کار اور نیٹ ورک کی حیران کن تفاصیل ہیں۔ کس طرح موساد LTTE کو بھی

اسلحہ دیتی رہی اور حکومت سری لنکا کو بھی اسلحہ دیتی رہی۔ مصر کی حکومت کو بھی مدد کرتی رہی اور اخوان اور جہادی گروپ کو بھی اسلحہ دیتی رہی۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جتنا ہم موساد کے بارے میں جانتے ہیں کیا ہماری حکومت اور اس کے خفیہ ادارے نہیں جانتے؟ یہ کتاب انگریزی میں شائع ہوئی ہے اسے کہیں بھی اسرائیلی چیلنج نہیں کرسکے اور نہ جھٹلا سکے ہیں۔ اس کا مطلب یہ سب حقیقت ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اسرائیل جو دنیا میں امریکہ کا سب سے بڑا امداد حاصل کرنے والا ملک ہے جو امریکہ کا سب سے بڑا نمک خوار ہے وہ اتنا بڑا نمک حرام ہے کہ وہ ضرورت کے لیے اپنے پالنے پوسنے والے کو بھی ڈس لیتا ہے، تو ہمارے ملک کے سیاستدانوں، دفاعی ماہرین، ہندوتوا وادی دیش بھگت کس بھروسہ اسرائیل اور موساد کو بلانے پر آمادہ ہیں۔ جس مکار ریاست نے اپنے آقا کے خلاف بار بار چالیں چلیں وہ اپنے مفاد کے لیے ہمیں داؤ پر کیوں نہیں لگائے گا؟

توگڑیا کا بیان ناقابل سماعت

مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا مرغوب الرحمٰن نے مذمت کی

دیوبند: ۱۲رفروری، ملک میں عام انتخابات میں ہندو ووٹوں کو مجتمع کرنے کی خاطر پروین توگڑیا نے ایک بار پھر دارالعلوم پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا، اور یہ بھی کہا کہ دارالعلوم دیوبند کو جہاد کے خلاف فتویٰ دینا چاہیے۔ اس سلسلے میں انھوں نے دارالعلوم کو دہشت گردی کا اڈہ بتایا۔

ان مطالبات کی مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے شدید مذمت کی اور فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند پر پابندی لگانے کا مطالبہ ملک وقوم سے غداری کے مترادف ہے، ایک ایسا ادارہ جس نے ملک کو آزاد کرانے میں قائدانہ رول ادا کیا ہو اور جو شروع دن سے آج تک قومی سطح پر تعلیم کے تمام تر جدید تقاضوں کو پورا کررہا ہو، اس کے بارے میں ایسی نادانی کی باتیں کہنا اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کو اس ادارے کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے توگڑیا جی کو دارالعلوم آنے کی دعوت دی تاکہ وہ خود ہی آنکھوں سے حقیقت حال کو جان سکیں۔ حضرت مہتمم صاحب نے ونے کٹیار کو بھی دارالعلوم آنے کی دعوت دی۔ یہ ادارہ پرامن زندگی گزارنے پر زور دیتا ہے اور یہی صفت اس کے تعلیمی مقاصد میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔

ونے کٹیار نے آنے کے لیے اظہار رضامندی کیا ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ توگڑیا جی بھی آئیں اور اپنی آنکھوں سے حقیقت حال کا جائزہ لیں۔ مہتمم صاحب نے فرمایا کہ توگڑیا جی بغیر کسی پیشگی اطلاع اپنی مرضی سے دن رات کسی بھی تاریخ اور کسی بھی دن تشریف لاسکتے ہیں۔

مہتمم صاحب نے فرمایا کہ دارالعلوم دہشت گردی کے خلاف فتویٰ دے چکا ہے۔ اور کانفرنسیں کررہا ہے، اور آیندہ بھی حالات کو پرامن رکھنے کی خاطر اس طرح کی کوششیں جاری رہیں گی۔ اور بڑے پیمانے پر کانفرنس کا انعقاد ہوگا۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ یہ بیانات ووٹ کی سیاست تو ہوسکتی ہے مگر قوم و وطن کی خدمت سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں، ان باتوں سے وہ ملک کے باشعور شہریوں کو گمراہ نہیں کرسکتے، یہاں دن رات ملکی وغیر ملکی سیاست داں، اخبار نویس، صحافی، حکومت کے ذمہ داران آتے رہتے ہیں۔ ان سب کے بیانات اور آنکھوں دیکھے حال کو توگڑیا جی کی اس طرح کی بے سروپا باتیں گمراہ نہیں کرسکتیں۔ دارالعلوم دیوبند کے دروازے ہر ایک کے لیے برابر کھلے رہتے ہیں، اور ہندو مسلمان یہاں پر برابر آتے رہتے ہیں۔ یہ ادارہ ہندو مسلم اتحاد کا نقیب ہے، کوئی بھی باشعور دانشمند اپنا قیمتی وقت صرف کرکے ان باتوں کی تصدیق کرسکتا ہے۔

جاری کردہ : دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند